مجلّہ بیاد
علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

سیّد دیانت حسین نقوی (دِلّو میاں)
(دادا)

سیّد ظہیر حسن نقوی (والد)

محسن نقوی عرف جھمّن میاں (امریکہ)
(بھائی)

سیّد تنویر حسن نقوی (لندن)
(بھائی)

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی فاؤنڈیشن (NGO)
چیئرمین ایس ایم نقی

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی فاؤنڈیشن

چیئرمین: ایس۔ایم۔نقی

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کے چہلم کے موقع پر یادگاری تعزیتی مجلّہ ''مجلّہ بیادعلّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی'' کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔جس میں علّامہ صاحب کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں دنیا بھر کے علما، ادباء، شعرا اور معزز شخصیات کے مختصر مضامین شامل ہیں۔

مرحوم کی خدمات اتنی ہیں کہ اُن پر ایک ضخیم کتاب اُن کی برسی کے موقع پر شائع کی جائے گی (انشاءاللہ) اِس سلسلے میں دنیا بھر کی علمی شخصیات سے گزارش ہے کہ اُن کی حیات وفن پر مشتمل تحقیقی مضامین ارسال کیئے جائیں تاکہ آنے والی کتاب کی زینت بن سکیں۔

ترتیب و پیشکش: علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی فاؤنڈیشن

تاریخِ اشاعت: ۲۵ صفر المظفر بمطابق ۱۳/ اکتوبر ۲۰۲۰ء

کمپوزنگ، گرافکس ریحان احمد، طارق وحید، ایس، ایم فرحان

سرپرست

جناب سیّد تنویر اختر نقوی، جناب علامہ سیّد ظلِ صادق زیدی،
جناب سیّد اقبال حیدر زیدی، سیّد محمود اختر نقوی، سیّد باقر نقوی،
عقیل اعوان، سیّد حیدر علی زیدی ہاشم پوری

مرکزی کابینہ

چیئرمین	ایس۔ایم۔نقی
وائس چیئرمین	سیّد عمران حیدر عابدی
ایڈمنسٹریٹر	سیّد غفران مجتبیٰ
جنرل سکریٹری	سیّد قائم رضا نقوی
ایڈیشنل جنرل سکریٹری	علامہ سیّد ظلِ ثقلین زیدی
سکریٹری مالیات	سیّد علی نقی
ایڈیشنل سکریٹری مالیات	سیّد رضا امام رضوی
سکریٹری نشرواشاعت	سیّد محسن نذر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریر: ایس۔ایم۔نقی چیئرمین ڈاکٹر علامہ سید ضمیر اختر نقوی فاونڈیشن (NGO)

دیباچہ

نظامِ زندگی کسی حوض کا ٹھہرا ہوا سنگ بستہ مقید پانی نہیں ہے جسے تماشائی کی ایک غلط انداز ہ نگاہ احاطہ کر سکے۔ دور دراز و جھل دشوار گزار پہاڑوں میں برف پگھلتی ہے، ندی نالے پتھروں کو چیر کر چٹانوں کو کاٹ کر آپس میں ہمکنار ہوتے ہیں اور پھر یہ پانی کتنا بڑھتا، گھاٹیوں، وادیوں، جنگلوں اور میدانوں میں سمٹتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ ایک زمانہ ہوا جب غالبؔ نے لکھا تھا کہ جو آنکھ قطرے میں دجلہ نہیں دیکھ سکتی دیدۂ بینا نہیں بچوں کا کھیل ہے۔ مگر ایک ڈاکٹر، محقق، اسکالر، شاعر، ادیب و خطیب کو قطرے میں دجلہ دیکھنا ہی نہیں دکھانا بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر غالبؔ کے دجلہ سے زندگی اور موجودات کا نظام مراد لیا جائے تو ادیب، شاعر، خطیب، محقق، اسکالر، ڈاکٹر خود بھی اسی دجلہ کا ایک قطرہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ان گنت قطروں سے مل کر اس دریا کے رُخ، اس کے بہاؤ، اس کی منزل کے تعین کی ذمہ داری بھی اسی کے سر آن پڑتی ہے۔ جس دیدۂ بینا نے انسانی تاریخ میں زندگی کے یہ نقوش و مراحل نہیں دیکھے اس نے دجلہ کا کیا دیکھا پھر اگر مورخ کی نگاہ ان گزشتہ اور حالیہ مقامات تک پہنچ بھی گئی لیکن ان کی منظر کشی میں نطق ولب نے یاوری نہ کی یا اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے جسم و جاں، جہد و طلب پر راضی نہ ہوئے تو بھی تاریخ داں اپنے فن سے پوری طرح سرخرو نہیں ہو سکتا۔

حیاتِ انسانی کی اجتماعی جد و جہد کا ادراک اور اس جد و جہد میں حسبِ توفیق شرکت، زندگی کا تقاضہ ہی نہیں فن کا بھی تقاضہ ہے۔ فن اسی زندگی کا ایک جزو اور فنی جد و جہد اسی جد و جہد کا ایک پہلو ہے۔ یہ تقاضا ہمیشہ قائم رہتا ہے اس لئے طالبِ فن کے مجاہدے کا کوئی نروان نہیں۔ اس کا فن ایک دائمی کوشش اور مستقل کاوش ہے اس کوشش میں کامرانی یا ناکامی تو اپنی اپنی توفیق اور استطاعت پر منحصر ہے لیکن کوشش میں مصروف رہنا بہر طور ممکن بھی ہے اور لازم بھی۔

مگر ڈاکٹر، محقق، اسکالر، شاعر، ادیب و خطیب علامہ سید ضمیر اختر نقوی اپنی ذات میں ایک جامعہ کی حیثیت رکھتے تھے ان کی دیدۂ بینا نے انسانی تاریخ میں زندگی کے تمام نقوش و مراحل بھی دیکھے اور منظر کشی میں نطق ولب نے یاوری بھی کی اور اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے جسم و جاں و جہدِ مسلسل پر ہمہ وقت راضی بھی رہے اور اپنے علم و فن سے عالمِ اسلام کو نمازِ ولایت کی ادائیگی سے آشنا کیا، علامہ صاحب کی زندگی کے شب و روز کتابوں کے ہجوم میں گزرے انہوں نے جس میدان میں قدم رکھا اس کو لہلہاتے باغات میں تبدیل کر دیا۔ میری عقل غربت السوچ کا شکار ہے کہ میں علامہ صاحب کی کس علمی، ادبی و تحقیقی ادا پر گفتگو کروں ان کی ہر ادا سہانی، دلفریب حسین، ذہنوں کو بالیدگی عطا کرنے والی، اور ولایتِ علی علیہ السلام کی مسحور کن خوشبو سے معطر تھی۔ علامہ صاحب نے دینی، مذہبی، عقیدتی و تاریخی سنگلاخ چٹانوں اور سر بلند چوٹیوں کے دامن کو نچوڑ کر مومنین و مومنات کے اذہان کی اس انداز میں آبیاری فرمائی کہ وجود میں آنے والی کئی نسلیں علامہ صاحب کی گل پاشیوں کے سحر سے آزاد نہ ہو سکیں گی۔

ہم ڈاکٹر علامہ سید ضمیر اختر نقوی فاونڈیشن کے زیرِ انتظام علامہ صاحب کے چہلم کے دلخراش موقع پر تعزیتی پیغامات پر مشتمل ایک مجلہ کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہے ہیں تا کہ علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کی زندگی کے نقوش تا دیر ہمارے اذہان پر اپنی راجدھانی قائم رکھ سکیں۔

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر شوذب کاظمی

ضمیرِ خلد آشیانی - یادوں کی کہکشاں

قبلہ سید ضمیر اختر نقوی مدظلہ العالی سے میرا پہلا تعارف تحقیق و تنقید ادب کی راہ سے ان دنوں ہوا جب (83-1981) کے سیشن میں میرا تحقیقی کام ایم اے اُردو ادبیات کے لیے جاری و ساری تھا اور مرحوم رضویہ امام بارگاہ کے نزدیک ناظم آباد کراچی کے ایک مکان میں مقیم تھے۔ محبت خلوص

اور عقیدت کا ایسا پیار بھرا سلسلہ چل پڑا کہ اس کے بعد کے چالیس سال پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ داعیٔ اجل کو لبیک کہنے سے ایک ڈیڑھ ہفتے قبل انہوں نے بوقت فجر مجھے ملتان کے لئے الوداع کہا تو مجھے قطعی طور پر یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ آخری بار رخصت کر رہے ہیں۔

یہ چالیس سالہ تعلق اگر تخلیق کی صورت اختیار کرے تو یہ شخصی مرثیہ وجود میں آتا ہے:

لکھنوی طرزِ خطابت کا دبستاں تھے ضمیرؔ
ماورا ہے جو خزاں سے وہ گلستاں تھے ضمیرؔ

بات وہ سچی کھری برملا کہہ دیتے تھے
جرات و عظمتِ منبر کے نگہباں تھے ضمیرؔ

غمِ محسنؑ میں گئے باغِ جناں کی جانب
پیشِ سردارِ جناں ذاکرِ دوراں تھے ضمیرؔ

ان میں سو رنگ کے پھولوں کی مہک تھی یکجا
یعنی جزدانِ گل و سنبل و ریحاں تھے ضمیرؔ

جس کی تنویر ہے تا حشر جہاں میں باقی
علم و عرفان کی وہ شمعِ فروزاں تھے ضمیرؔ

نعرے لگتے تھے ہر اک نکتے پہ حیدرؑ حیدرؑ
شیرِ یزداں کی ولا کے وہ ثناخواں تھے ضمیرؔ

چل دیئے سیدِ سجادؑ کی مجلس پڑھنے
عرشیوں کے لئے بھی نازِ خطیباں تھے ضمیرؔ

جس کی کرنوں سے منوّر ہو زمانے کا دماغ
بزمِ اظہار کا وہ نیرِ تاباں تھے ضمیرؔ

سب نے دیکھا تھا محرم میں انہیں منبر پر
جانتا کون تھا کچھ روز کے مہماں تھے ضمیرؔ

اپنے مولاؑ سے ملاقات کی جلدی تھی انہیں
جیسے اس لمحے کے اک عرصے سے خواہاں تھے ضمیرؔ

چھوڑ کر جب سے گئے درد بڑھا ہے شوذب
دوستوں کے لیے ہر درد کا درماں تھے ضمیرؔ

مرحوم سے میرا تعلق خالص علمی ادبی اور شعری بنیادوں پر تھا اور رہا۔ ان کی خطابت کے شعبے کی طرف میری توجہ ذرا دیر سے ہوئی لیکن مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ متعدد بار زیب منبر ہونے سے پہلے مجھے قصائد، سلاموں اور عزائیہ کلاموں کے ذریعے اپنی پیش خوانی کے مواقع مرحمت فرمائے اور اپنی کئی کتابوں میں میرے کلام کو جگہ عطا فرمائی اور بعض دفعہ اپنے خطاب کے بعد شبیۂ تابوت یا علم برآمد کرنے کیلئے نوحہ مجھ سے کہلوا کر اکثر اسد آغا، ظلِ رضا یا حسین جری سے پڑھنے کو کہا۔ آخری دنوں کی ایک مجلس میں حضرت امام

حسنؑ پر اُنہوں نے خطاب کے دوران اپنی کتاب حاضرین میں تقسیم کی تو اس کی تکمیل میں معاونت کے حوالے سے میرا نام بطور خاص لیا۔ اس کتاب میں میرے دو کلام بھی شامل ہیں۔

ایم اے میں مجھے مرثیے پر کچھ مواد درکار تھا جو مرحوم کے لائبریری سے

مل گیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر ہلال نقوی اور قسیم امروہوی سے بھی ملنے کو کہا جن سے بہت کچھ میسر آیا۔ میرا ایم اے علاّمہ صاحب کا رہین منت ہے مرثیہ کا مواد مجھے جس کلاس فیلو کے لیے درکار تھا ان کا نام ڈاکٹر عذرا شوذب ہے۔ وہ بعد میں میری اہلیہ قرار پائیں۔ انہیں بھی علامہ صاحب کی لائبریری سے بہت مدد ملی۔ خاص طور سے نقوی خاندان کے شجرے سے متعلق انہیں بہت کچھ ملا۔ ہم دونوں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئے۔ میں بلوچستان یونیورسٹی میں پڑھانے لگا۔ اس دوران انیس سو ستاسی سے پہلے علاّمہ صاحب ایک دو بار ایران جاتے ہوئے کوئٹہ میرے پاس آئے۔ اور یوں ہمارا ان سے خاندانی تعلق بنتا چلا گیا۔ ہر علمی منزل پر وہ کام آتے رہے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے درجوں میں بھی ہم دونوں کو علاّمہ صاحب سے بہت تحقیقی مدد حاصل ہوئی۔ ہمارے بچوں کو بھی علاّمہ صاحب کی محبت و شفقت حاصل رہی۔

مجالس کے لئے علامہ صاحب کئی بار ملتان آئے تو ان کی منفرد طرزِ خطابت سے بھی تعارف حاصل ہوا۔ بعد ازاں وہ جب بھی ہمارے شہر تشریف لائے تو ہمیں اپنی ہر محفل میں شریک رکھا۔ اسی زمانے میں مجھے ''ضمیر حیات'' مرتب کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ میری اس ضخیم تحقیقی کاوش کا حوالہ انہوں نے بول ٹی وی چینل اور دیگر الیکٹرانک میڈیا کے ذرائع پر کئی بار دیا۔ یہ کتاب لکھنے کا وہ زمانہ تھا جب آپ یونیورسٹی روڈ پر قیام پذیر تھے۔ نعمان ٹیرس میں واقع ان کے کتب خانے سے میری اہلیہ نے بھی کئی بار استفادہ کیا اور کئی تحقیقی مضامین لکھے جنہیں قبلہ نے اپنے رسالے القلم میں شائع کیا۔ انچولی منتقلی سے پہلے والے فلیٹ میں بھی قبلہ سے بے شمار ملاقاتیں رہیں اور بہت سے علمی، ادبی اور دینی کام تکمیل کو پہنچے۔

ایک بار قبلہ ملتان تشریف لائے تو ہم نے زکریا یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اور کئی مقامی تعلیمی اداروں بشمول ملتان آرٹس کونسل میں سیمینار منعقد کیے جو اُردو مرثیہ اور میر ببر علی انیسؔ کے موضوع پر تھے۔ علاّمہ نے اپنی بہت سی کتب ان لائبریریوں کو دیں جو ملتان میں واقع ہیں۔ اس کی مفصل رپورٹ میرے صاحبزادے مرحوم ڈاکٹر محمد علی کاظم نے ''القلم'' کے لیے روانہ کی تو اس بچے کی حوصلہ افزائی علامہ مرحوم نے اس طرح کی کہ اسے فیصل آباد کے ایک سیمینار میں بھی مدعو کیا۔ بعد ازاں یہ بچہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو علامہ نے قدم قدم پر اس کی نگہداشت میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ آغا خان ہسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد اس کی موت کی خبر علاّمہ صاحب کو ملی تو وہ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اس کے سوئم کی مجلس عزا خود کراچی میں منعقد کی اور چہلم ملتان آ کر پڑھا حسین جری اور علی دیباج بھی ہمراہ تھے۔

علاّمہ ضمیر اختر (مرحوم و مغفور) اکثر جب کوئی نئی کتاب لاتے تو نظر ثانی کے لیے مجھ سے کہتے انہیں میری شعری صلاحیتوں پر بہت اعتماد تھا اور میری تحقیق کی تربیت خود انہوں کی تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا ان کی ہر کتاب کی اصلاح اور پروف ریڈنگ میرے سپرد کی جاتی۔ میں ان کی ہی لائبریری میں بیٹھ کر پوری کتاب دیکھتا اور کمپوزرز کو ہدایات دیتا۔ جو تمام غلطیوں کی درستی کے بعد شائع کردی جاتی تھیں۔ وہ القلم کے شمارے بھی مجھے دکھاتے آخر میں اس رسالہ کی ادارت میرے سپرد کردی گئی۔ میں نے اپنی کئی شعری کاوشیں بھی ان کی فرمائش پر مکمل کی ہیں جیسا کہ مناقب نوحے سلام سہرے رخصتیاں وغیرہ۔ ادارہ مرکز علوم اسلامیہ کے لیے انہوں نے کئی تحقیقی کام مجھے سونپے جو بحمد اللہ کامیابی سے تکمیل کی منزلوں کو پہنچے۔ کئی بار انہوں نے زیرِ تکمیل کتب مجھے ملتان روانہ کیں جنہیں اصلاح کے بعد لوٹا دیا گیا وہ سب کی سب اشاعت کی منازل سے ہمکنار ہو چکی ہیں۔

اپنے بڑے بھائی محسن اختر سے انہیں دلی لگاؤ تھا جن کی وفات کے بعد وہ ان کی تمام کتب منظر عام پر لانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ کام مکمل کرنے کیلئے مجھے کراچی طلب کرلیا۔ موت سے کچھ عرصہ پہلے میرا ان سے جو طویل مکالمہ رہا اس کی بدولت مجھے قبلہ کے ننھیال، ددھیال قیام لکھنؤ سیر عالم زیارات مقدسہ و حج کی معلومات حاصل ہوئیں جن کی تفصیلات آئندہ پر اُٹھا رکھتا ہوں۔ مختصر یہ کہ چند ماہ کی کاوش کے بعد ہم نے مرحوم محسن اختر نقوی کی انگریزی کتب اور دیگر قلمی کاوشوں کو یکجا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور مکمل کرلیا۔ میں بشرطِ زندگی آئندہ بھی مرحوم کے سلسلے کی تمام مطبوعات کی تکمیل کے دوران دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کرتا رہوں گا امید ہے علامہ کے تکمیل پا جانے والے تمام کام جلدی اشاعت کی منزل سے ہمکنار ہوں گے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

Presented by: https://jafrilibrary.com

افتخار عارف (ستارۂ امتیاز، ہلالِ امتیاز)

مداحِ علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے

حضرتِ علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی خود میں بھی جنھیں 40 برس سے اسی طرح مخاطب کرتا تھا مرے لڑکپن کے ساتھی تھے میں انکے برادرِ بزرگ مرحوم سیّد محسن اختر کا بھی بہت ابتدائی مرحلے میں ہم جماعت تھا، ہم نے لکھنؤ میں زندگی کا آغاز کیا 1963 تک کی عزاداری کے دن ہم دوستوں نے ساتھ گزارے وزیر گنج سے بزرگوں، دوستوں کے ہمراہ ڈیوڑھی آغا میرؔ سے میں ان میں شامل ہوجاتا۔ سویرے کی مجلس میں حسینیہ غفرانمآب میں عمدۃ العلما سیّد کلبِ حسینؒ زیبِ منبر ہوتے۔ مجلس ختم ہوتی تو سب گھروں کو لوٹ جاتے،

میں اور ضمیر میاں انجمن سادات المومنین میں نو تصنیف مراثی کی مجلس سُن کر محسن الملّت محسن نوابؒ کی مجلس سن کر سہ پہر گھروں کو پلٹتے اور مغربین کے بعد پھر اقبال منزل اور ڈپٹی محمد عظیم کے ہاں وہی دونوں ذاکرینِ لکھنؤ کو مشرقی تہذیب وتمدن کا آخری نمونہ کہا گیا، مگر اس کی تہذیبی شناخت کا ایک اہم بہت اہم حوالہ تہذیبِ عزاداری کے دو مہینے آٹھ دن نہیں بلکہ پورے سال کو محیطِ ذکرِ محمدؐ وآلِ محمدؑ رہتا۔ خانوادۂ محترم کے تمام افراد کی زندگی میں ذکرِ حسینؑ مرکز ومحور تھا ساٹھ کی دہائی میں ہم آگے پیچھے کراچی آگئے وہ رضویہ میں اور مَیں ناظم آباد اور مسلم لیگ کوارٹر میں رہتا تھا۔ ہفتے میں دو ایک دفعہ ملاقات ضرور ہوتی ہزاروں اشعار اور پورے پورے مرثیے ان کے حافظے میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ سمجھئے ان کا ورد و وظیفہ، کراچی میں حضرت آلِ رضا، حضرت جوشؔ، حضرت نسیمؔ، حضرت صباؔ، ڈاکٹر یاور عباس، ضیا الحسن موسوی، عزتؔ لکھنوی، سید ناصر جہان، اُمید فاضلی، شاہد نقوی اور زیب و زینت منبر حضرت علامہ رشید ترابی، علّامہ سیّد محمد رضی۔ بزرگوں میں علّامہ سیّد محمد دہلوی، علّامہ ابن حسن جارچوی، علّامہ محمد مصطفےٰ جوہر اور بعد میں علامہ نصیر الاجتہادی بھی کراچی منتقل ہوئے، عزاداری بڑھتی گئی، مداحِ انیسؔ و نقادِ ادب ورثا کو منبر نے عزّت بخشی اور ہر گزرتے وقت اور ذکر کی برکت نے ذاکر کو عزت بخشی زندگی بھر کا مطالعہ، قیامت کا حافظہ، کتاب کا عشق اور مسلسل محنت نے ان کو بفضلِ ایزدی اور بحق معصومینؑ شہرت اور مقبولیت میں قابلِ رشک منزلت عطا کی۔ ایک لکھنؤ چھوڑ آئے تھے مگر وہ تہذیب ان کے وجود میں زندہ تھی،

مداحِ علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے، آپ یاد آتے رہیں گے۔

پروفیسر شارب ردولوی

علّامہ ایک بے مثال خطیب اور مایہ ناز ادیب تھے

پروفیسر شارب ردولوی نے کہا کہ علّامہ ضمیر اختر نقوی کے اچانک انتقال کی خبر سے بے حد صدمہ ہوا، وہ ایک بین الاقوامی مقبول خطیب، عالم دین، ماہر رثائی ادب اور ایک اچھے انسان تھے، ان کا کتب خانہ

نایاب قدیم کتابوں اور مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور وہ ہمیشہ ان کتابوں کی تدوین وترتیب میں لگے رہتے تھے، ان کی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں، خاص طور پر اُردو کا ایک رسالہ القلم کے نام سے نکالا کرتے تھے جس میں دنیا کے تمام بڑے ادیبوں کے مضامین شائع ہوتے تھے، مرثیہ پر انہوں نے تحقیقی اور گرانقدر کام کیا تھا جو مستقل طور پر شائع ہوتے رہتے تھے۔ وہ لکھنؤ کی زبان اور تہذیب کے ایک ایسے سفیر تھے جنہوں نے اپنی تقریروں اور خطابت کے ذریعہ سے دنیا کے کونے کونے میں زبان وبیان کی خوبصورتی کو پہنچایا۔ وہ ایک ایسے ادیب! عالم دین تھے جو اپنی زبان و کردار برتاؤ اور کردار سے محبت و رہنمائی کی آپ اپنی مثال تھے۔ ان کے انتقال سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو عرصہ تک پُر نہیں ہوسکے گا، میں ان کے تمام اعزا شاگردوں اور چاہنے والوں کو دلی تعزیت پیش کرتا ہوں۔ خدا انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر کی طاقت دے۔

تحریر: علی ناصر سعید عبقاتی (عرف آغا روحی)

میں تیرے نام آشکوں کے سوا کیا لکھوں

مارچ ۱۹۴۴ء ضمیر اختر صاحب کی ولادت ہوئی، دسمبر ۱۹۴۷ء میں میری ولادت ہوئی، تعلقات ذاتی نہیں نسلی اور خاندانی تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات پر بہت اعلیٰ معیار سے بہت کچھ لکھا جائے گا اور لکھا جانا چاہئے، صنف مرثیہ خصوصاً میر انیسؔ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے سلسلے میں اُن کی قلمی

کاوشوں کے بغیر کچھ لکھا جانا ممکن نہیں۔ ''میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال'' ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر ضمیر اختر صاحب اس کے علاوہ کچھ نہ لکھتے تو بھی سیّد ضمیر اختر نقوی غیر اختلافی طور پر اُردو دنیا کے چند مشاہیر میں منفرد ہوتے۔ برصغیر میں مقصرین کے درمیان مؤذن فضائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وآلِ رسولؐ تیرے بے داغ کفن پر تیرے لاکھوں قارئین و سامعین کے کروڑوں سلام۔

راہ گیر عزائے حسین

علی ناصر سعید عبقاتی آغا روحی

۲ر صفر ۱۴۴۲ھ، ۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء یکشنبہ)

سیّد عابس کاظم جرولی

والد مرحوم خطیب الایمان مولانا سیّد مظفر حسین صاحب طاہر جرولی سے علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے برادرانہ تعلقات تھے، ان کے اچانک انتقال نے ہم سب کو غم زدہ کر دیا میں اپنے اور دیگر افرادِ خاندان کی طرف سے ان کے خاندان کو دلی تعزیت پیش کرتا ہوں۔

سیّد عابس کاظم جرولی

فرزند خطیب الایمان مولانا سید مظفر حسین طاہر جرولی

تحریر: عباس ناصر سعید عبقاتی

لکھنوی تہذیب کا مدرسِ اعلیٰ

۲۰۰۹ء میں علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب طاب ثراہ نے والد محترم کے ساتھ کراچی طلب فرمایا تھا۔ اسی زمانے میں مجھے دمشق یونیورسٹی سیریا سے گھر واپس آنے کا موقع ملا تھا۔

ہم لوگ کراچی میں ان کے مہمان رہے، حوصلہ افزائی ان کی فطرت میں شامل تھی، مبتدی تو میں اب بھی ہوں، اور نہ جانے کب تک رہوں اس وقت منبر سے لب کشائی کا آغاز ہوا تھا مرحوم نے مجھے کئی مجلسوں کے وعدے دلوائے، جن اخبارات میں اشتہارات شائع ہوئے وہ بہت اہتمام سے مجھے یادگار کے طور پر عطا کیے۔

ان دنوں حجۃ الاسلام عالی جناب مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ بھی کراچی پہنچ گئے اور قبلہ وکعبہ والد محترم سے ملنے علامہ مرحوم کے گھر تشریف لائے مجھے دیکھ کر والد صاحب سے فرمایا کہ ''خدا کا شکر کہ آپ ان کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلے۔''

لکھنوی تہذیب کی جھلک لکھنؤ میں بھی کبھی کبھی نظر آتی ہے، وہ مکمل تہذیب جن ہستیوں تک محدود ہوگئی ہے ان میں مرحوم علامہ ضمیر اختر صاحب

مجھے اس لئے مدرس اعلیٰ نظر آتے ہیں کہ دیگر شخصیات لکھنؤ میں تشریف فرما ہیں۔ لیکن علامہ مرحوم نے کراچی کے مخلوط ماحول میں لکھنوی تہذیب کو مکمل طور پر محفوظ رکھا۔

عباس ناصر سعید عبقاتی

۲ صفر ۱۴۴۲ھ ۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء یکشنبہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

حجۃ الاسلام علامہ سیّد ظلِ صادق زیدی الحسینی

خطیبِ اسلوبِ نو

آفتابِ خطابت گہنا گیا، ماہتابِ عناوینِ مجالس، گہرے بادلوں میں پنہاں ہوگیا، تاریخ دانی کا جھومر نہ جانے کہاں کھو گیا، محققانہ دماغ کو اُونگھ آگئی۔۔۔ تہذیب و تمدنِ عزاداری کے ہراول دستے کا سالار ابدی نیند سو گیا۔ لفظ و معانی دھندلا گئے، محاورات و ضرب الامثال کا چہرہ، چہرۂ مدقوق ہوگیا۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی کا سفرِ عالمِ بالا، اکمال و اتمام کی عظمتوں کی بلندی

پر پہنچ کر لبِ کوثر اختتام پذیر ہوا علاّمہ نقوی ایک کامل خطیب، بے مثل ادیب اور دیدہ ور محقق تھے۔ وہ الفاظ کا چلتا پھرتا لغات و فرہنگ تھے۔

علاّمہ ضمیر اختر صاحب نہایت بلند پایہ خطیب و ادیب و دانش ور تھے، اُردو زبان میں شاید ہی کسی ہستی کی اُس کی اپنی زندگی میں ۳۶۷ کتب شائع ہوئی ہوں اور تقریباً اتنی ہی غیر مطبوعہ کتب ہیں بہت سی کتابیں تو زیورِ کتابت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ علاّمہ صاحب کی وفات دنیائے علم و ادب کا نقصان ہے اور بالخصوص نئی نسل کے لئے تو بہت عظیم نقصان ہے۔

علوم حکمت و اسرارِ آلِ محمدؐ کو جس طرح ''علم الکلام'' کی روشنی میں عوام الناس تک ''سہل ممتنع'' میں منتقل کیا کرتے تھے وہ صرف اور صرف اور صرف موصوف کا ہی حق تھا۔ علم کی دبیز موشگافیوں کو آسان زبان میں بیان کرنے کا حق، جس قدر علامہ صاحبکو تھا شاید ہی اور کسی کو ہو۔ بلا شبہ وہ نباضِ قوم تھے۔ اُن جیسا بے باک ولایتِ معصومینؑ پڑھنے والا ہماری زندگی میں تو اب منظرِ شہود پر آنا ناممکن ہے۔

علاّمہ صاحب کے انتقال سے ہماری کمر شکستہ ہوگئی ہے اُن کی اور ہماری ۵۲ سالہ دوستی گواہ ہے کہ ہم نے سینکڑوں شب ہائے تاریک کو علمی و ادبی مباحث میں صبحِ نو سے ہمکنار کیا ہے۔

قبلہ آپ کے جانے سے ہماری نبض کی ڈور بھی غیر متوازن ہوگئی ہے۔ اور سانس بھی متزلزل ہے۔ اب ہم ''اسرارِ علیؑ'' کی وہ باتیں کس سے کیا کریں گے جنہیں ''بے معرفتی'' افراد سے چھپانے کا حکم ہے۔

اچھا ہوا آپ ''ناقدروں'' کو چھوڑ کر مولا کے حضور چلے گئے، ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ مولا کے حفظ و امان میں اطمینان و سکون سے رہیے۔

قطعہ تاریخِ وفات

دلوں کی دھڑکن، نظر کا محور، ضمیر اختر، ضمیر اختر
خلوص و عہد و وفا کا پیکر، ضمیر اختر ضمیر اختر

نہ کہنا ہرگز کہ مرگیا ہے، صراطِ جاں سے گزر گیا ہے
چلا گیا ہے وہ سوئے کوثر، ضمیر اختر، ضمیر اختر

نسب کا ماہر حسب کا دفتر، نگار تاریخ کا شناسا
مُفکر و دانش و سخنور، ضمیر اختر ضمیر اختر

چناؤ لفظوں کا خوب تر تھا، محاوروں پر عبور کامل
انیسؔ کے وہ فلک کا اختر، ضمیر اختر، ضمیر اختر

وہ لکھنؤ کا مثالی لہجہ، زبان پہ قدرت، کمالِ شوکت
ہر اک جگہ وہ خطابِ دیگر، ضمیر اختر، ضمیر اختر

انوکھے عنواں، جدا مضامیں، نئی مثالیں، جدید تیور
وہ چشم و ابرو، وہ روئے انور، ضمیر اختر، ضمیر اختر

ہے صاف مصرع، علیؑ کا شیعہ، بلند افسر
۲۰۲۰ء
عطا ہے صادقؔ یہ مصرعٔ تر، ضمیر اختر، ضمیر اختر

(ظلِ صادق زیدی)

آیت اللہ سیّد حمید الحسن (لکھنؤ)

ایک اچھے مبلغ کی رحلت قوم کا بڑا نقصان

آیت اللہ سید حمید الحسن نے علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے انتقال پر کہا کہ مرحوم تعلیماتِ اہلِ بیتؑ اطہار کے ایک اچھے مبلغ تھے جنہوں نے اہلِ بیتؑ کے فضائل و اعجاز کو عوام تک پہنچایا ان کا یہ سانحہ انتقال ایک بڑا نقصان ہے۔

اصغر مہدی اشعر (موسس فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل)

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی اور فروغِ مرثیہ

مرثیہ آلِ محمدؐ کی پسندیدہ ذاکری کہلاتا ہے۔ مرثیے کی تاریخ آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک اور خاتم سے مولا حسینؑ کی شہادت تک رثائی ادب وعزاداری کا وہ علم اُٹھائے ہوئے ہے جو آج تک لہرا رہا ہے۔ وہ فروغِ اُردو ہو کہ فروغِ عزاداری، مرثیہ آج بھی یہ ذمہ داری اُٹھائے ہوئے ہے۔ وہ ہابیل کی موت پر آدمؑ کا مرثیہ ہو یا عبدالمطلبؑ کی وفات پر ابوطالبؑ کا مرثیہ۔ وہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات پر مولا علیؑ کا مرثیہ ہو کہ رسولِ خداؐ کی وفات پر جنابِ سیّدہ کا مرثیہ ہو یا خود جنابِ سیّدہ کی وفات پر مولا علیؑ کا مرثیہ، مرثیے کی روایت ہمیشہ دل میں بھرے ہوئے غم واندوہ کو آنسوؤں کی روشنائی سے قرطاس پر رقم کرتی ہے اور اس غم کو عام کر دیتی ہے جو کبھی ایک فرد کے احساسات کی ترجمان تو ہوتا ہے مگر جب مرثیے کی زبان پاتا ہے تو اس غم کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ ہزاروں سال گذرنے کے باوجود بھی اشک فشانی اور سینہ کوبی کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

آج رثا غمِ حسینؑ سے زندہ ہے، وہ غمِ حسینؑ جو ۱۴۰۰ سال سے ہمیں حق کی فتح اور باطل کی شکست کا احساس دلا رہا ہے، وہ غمِ حسینؑ جو آج بھی حق اور باطل کے درمیان میزان ہے۔ اس ابتدائیے کا مقصد مرثیے اور رثا کی اہمیت کا احساس دلانے کے ساتھ اس بات کو بھی گوش گذار کرنا تھا کہ مرثیے سے جُڑے ہوئے افراد کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے اور اب دنیائے مرثیہ میں قحط الرجال ہے۔

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کو عوام الناس ایک عالم اور ذاکر کی حیثیت سے زیادہ جانتے ہیں مگر ان کی ذات کا ایک خاصہ مرثیے میں تحقیق اور خصوصاً قدیمی یا کلاسیکی مرثیے میں تحقیق تھا اور یہی وصف ناچیز اور ان میں تعلق کا باعث بھی بنا۔ مرثیے کے طالبِ علم اور محقق کی حیثیت سے علّامہ ضمیر اختر نقوی کی کتابوں کو استعمال کرنے کا موقع بھی ملا جن میں دبستانِ ناسخ، نوادراتِ مرثیہ نگاری، کلامِ انیسؔ میں رنگوں کا استعمال، ہر صدی کا شاعرِ اعظم میر انیسؔ، خاندانِ انیسؔ کے نامور شعرا، میر انیسؔ کے مرثیے، مرزا دبیرؔ کے مرثیے، رسالہ القلم، اور اُردو مرثیہ پاکستان میں قابلِ ذکر ہیں۔

اس بات کو رقم کرنے میں ناچیز کوئی جھجک نہیں رکھتا کہ علّامہ ضمیر اختر نقوی کی اصل محبت مرثیہ اور سرکار میر انیسؔ تھے اور اس کا ثبوت ان کا وہ کتب خانہ ہے جس میں ان کی دہائیوں کی محنت شامل ہے اور ایک تخمینے کے مطابق سینکڑوں غیر مطبوعہ مراثی اور مخطوطات اس کی زینت ہیں۔ یہ ان کتابوں کی محبت ہی تو تھی جسے ضمیر اختر صاحب اس کتب خانے کی برکت بتلاتے تھے اور ان نایاب مخطوطات کے تحفظ میں ان کی زندگی گذر گئی۔ پچھلے دو سو سال میں مرثیے کی نسبت ہندوستان، پاکستان میں جتنا کام سامنے آیا اس کا سو گنا تلف ہو گیا اور اس دورِ قحط الرجال میں جناب ضمیر اختر نقوی کی موجودگی اس بات کی ضامن تھی کہ قدیمی وکلاسیکل مرثیوں تک مزید رسائی عوام الناس کا مقدر ہوگی اور وہ ٹیم جو دن رات جانفشانی سے ان نایاب مخطوطات کو عوام الناس تک پہنچا رہی ہے وہ جب تک اپنا قلم نہیں رکھیں گے جب تک کہ آخری غیر مطبوعہ کلام اور دستاویز عوام الناس تک نہ پہنچ جائے مگر شاید مشیتِ ایزدی کو یہ منظور تھا کہ آج قبلہ ضمیر اختر نقوی ہمارے درمیان میں موجود نہیں مگر ان کا چھوڑا ہوا کتب خانہ اور ان کا شروع کیا ہوا کام ابھی مکمل ہونا باقی ہے۔ ناچیز اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مرثیے سے محبت کی ذمہ داری علّامہ ضمیر اختر نقوی نے مرتے دم تک نبھائی اور جتنا حصہ مولا نے ان کے مقدر میں رکھا تھا اس کی تکمیل کی ذمہ داری انھوں نے پوری کی۔ اس کا ثبوت وہ دو کتابیں ہیں جو ابھی بھی پریس میں ہیں اور جلد ہی منظرِ عام پر آئیں گی، ناچیز کی معلومات کے مطابق ان کے عنوانات (۱) ''سندھ میں اُردو مرثیے کا ارتقا (تاریخِ مرثیہ نگاری جلد ۵)''، (۲) ''عقیدہ اور شیعیت'' ہے۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی کی مرثیے سے محبت کی نسبت چند گزارشات ضروری ہیں۔ قبلہ کی زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ مرثیے کا فروغ ہو اور غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت ہو۔ ضمیر اختر صاحب تو اب اس دنیا میں نہیں مگر ان کا کام جاری رہنا چاہئے۔ علّامہ کی بدولت اُردو مرثیے کے چند نادر مخطوطات امریکہ کی لائبریری آف کانگریس، واشنگٹن کی زینت بن چکے ہیں اور اگر ضمیر اختر صاحب کے بس میں ہوتا تو ان کے کتب خانے میں موجود کوئی بھی غیر مطبوعہ کلام غیر مطبوعہ نہ رہتا۔ ناچیز پچھلے کئی برسوں سے مطبوعہ مراثی کو محفوظ کرنے کا عمل شروع کر چکا ہے اور اس میں قبلہ نے اپنی کتابوں کے ذریعے ہاتھ بٹایا۔ گذشتہ کئی سالوں کی محنت سے اب www.emarsiya.com پر تین ہزار سے زیادہ مراثی موجود ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ناچیز کی منتظمین کتب خانۂ علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی سے یہ درخواست ہوگی کہ اس کتب خانے خصوصاً مخطوطات پر خصوصی توجہ دی جائے اور ان کو ''Scan'' کر کے ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر دیا جائے۔ بیسیوں مرثیہ نگاروں

کے مرثیے قبلہ کی بدولت ہم تک پہنچے اور سینکڑوں ابھی تک ان کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ علاّمہ ضمیر اختر نقوی سے محبت کی سب سے بڑی دلیل ان کے فروغِ مرثیہ کے کام کو جاری وساری رکھنا ہے اور میرے نزدیک ایک ایسی ڈیجیٹل لائبریری کا قیام ہے جس کے ذریعے مرثیے کا مزید فروغ ہو اور مرثیہ نگار، شعرا، محقق اور ناقدین کا کام دنیا تک پہنچ سکے۔ اگر یہ کام مکمل ہو گیا تو علاّمہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ان کتابوں اور مخطوطات کو جمع کرنے میں جتنے سال انھوں نے صرف کئے اس کا صلہ مرثیے کی فروغ کی نسبت محمدؐ وآلِ محمدؐ کے در سے ان کا مقدر ہوگا۔ کتابوں سے محبت ایک عالم کی اساس ہے اور ان کتابوں کو منظرِ عام پر آتے رہنا چاہئے اور علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے کتب خانے کو Digital طرز پر محفوظ کرنا چاہئے۔ تاکہ وہ رہتی دنیا تک مرثیے کے طالب علموں کے لئے فروغِ مرثیہ کا وسیلہ بنے۔

مولانا فرید الحسن (لکھنؤ)

اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے ضمیر اختر نقوی

مرحوم کے انتقال پر جامعہ ناظمیہ کے پرنسل مولانا فرید الحسن نے اظہارِ غم کرتے ہوئے کہا کہ اُنھوں نے ایک عرصہ تک دین کی تبلیغ کی جس کا فقط پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں اثر دیکھنے کو ملا۔ وہ ایک ملنسار اور خلیق انسان تھے جو محفل میں مرکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے انتقال نے پوری فضا کو مغموم کر دیا۔ میں ان کے اعزا و اقربا کو تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خدا ان کے درجات بلند فرمائے۔

سیّد ارتضیٰ حسین رضوی (سعودی عرب، ریاض)

وہ جو آئے تھے خواب میں کچھ اس طرح

بھیا آداب!

آداب!

ارے بھیّا! وہ آپ کا چہلم ہے، سنا ہے تعزیتی رسالہ چھپ رہا ہے۔

اچھا!

تعزیت تو تم نے دے دی میری، شہزادیِ کونین اور امامِ علی نقیؑ کو۔

ارے بھیا وہ تو روحانی تعزیت تھی۔

اچھا!

پھر لکھ کر بھیج دو۔

جو حکم بھیا!

کیا لکھو گے؟

ارے وہی جو آپ نے منبر سے پڑھا تھا مولائے کائنات کا بیان آخری خطبے کا!

جی!

آپ نے کہا تھا مولائے کائنات نے فرمایا! اے لوگو آج میں تمہارے درمیان میں ہوں، کل تم سے جدا ہو جاؤں گا، میری جگہ دوسرے لوگ آجائیں گے، تب تم کو میری قدر و منزلت کا احساس ہوگا۔

واہ! ٹھیک ہے۔! ریحان کو بھیج دو!

اور میری طرف سے لکھ دو میرے سب دوستوں کو میں آج بھی جنت سے دعا دیتا ہوں، سارے معصومینؑ سے ملاقات ہوگئی ہے۔ کل شہزادیؑ کونین نے بلایا ہے، ابھی پیغام دے گئے تھے جنابِ ادریسؑ۔ سب کتابیں میری پہلے سے یہاں موجود تھیں کل اپنے ہاتھوں سے شہزادیؑ کونین کو تحفہ کروں گا۔

میں یہاں آیا تو سب لوگ ملنے آئے تھے، جو پہلے سے یہاں موجود تھے۔ ابھی طالب جوہری مل کر گئے ہیں!

صبح سے بہت مصروفیت رہتی ہے ملاقاتوں میں!

شہزادیؑ کونینؑ نے سچّے موتیوں کا محل بنوایا ہے! اب میں یہاں رہتا ہوں، بہت سکون ملتا ہے مجھے۔

فرصت ملے مجھے ملاقاتوں سے تو یہاں کی لائبریری ترتیب دوں گا۔

مولا علیؑ کا بھی پیغام آیا ہے ۲۸ رصفر کی مجلسِ شہادتِ رسول خدا اور امام حسنؑ کی میں ہی پڑھ رہا ہوں! والسلام ضمیر اختر نقوی

اسلم ہاشم (انجمنِ فروغِ عزا۔لندن)

آہ! ضمیر بھائی

عمومی طور سے کسی انسان کے دنیا سے گذر جانے پر ایک خلا ہو جاتا ہے، مگر ضمیر بھائی مرحوم کی multi dimensional شخصیت کی رحلت سے کئی نقصان ہوئے ہیں جیسے کہ:- 1. ذاکری کا 2. تصنیف کا 3. تالیف کا 4. شاعری کا 5. شفقت کا اور تحقیقی عمل کا اور وغیرہ وغیرہ بہر حال علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر مرحوم ملت اسلامیہ کا حیات اور بعد از حیات ایک عظیم اثاثہ ہیں۔ جنکے جانے سے دنیا بھر کے صحیح العقیدہ مسلمان سوگوار ہیں۔ اللہ مرحوم کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اور ضمیر بھائی مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ الٰہی آمین

غم گسار۔ اسلم ہاشم (انجمنِ فروغِ عزا۔لندن)

ندیم رضا سرور (سفیرِ عزا)

اِنّاللہ واِنا اِلیہ راجعون

افسوس کہ آج عالمِ اسلام ایک بہترین عالمِ دین، محقق اسکالر اور تاریخ دان، محترم سیّد ضمیر اختر نقوی سے محروم ہو گیا، ''موت العالم موت العالم''، ہم دنیا بھر کے سفیرِ عزا، مرحوم قبلہ کے خانوادے اور عالمِ اسلام کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اللہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مولانا عون محمد نقوی

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۳ ستمبر ۲۰۲۰ء بہت دکھ ہوا علاّمہ صاحب کے انتقال کی خبر سُن کر بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ ہماری ملت کو اتنے بڑے دانشور ادیب، خطیب اور تہذیب کے امین شخصیت کا دکھ برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کرے، میری طرف سے علامہ صاحب کے خانوادے کو علامہ ظلِّ صادق زیدی صاحب کو آپ دونوں برادران اور تمام اقرباء اور وہ تمام لوگ جو علاّمہ سے محبت کرتے ہیں اُن سب کو تعزیت پیش ہے۔ اللہ بحق چہاردہ معصومین علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے درجات بلند فرمائے۔

قاضی سیّد محمد اسد (لکھنؤ، بھارت)

تحت اللفظ مرثیہ خواں ذاکر، پی۔ ایچ۔ ڈی اردو

علاّمہ ضمیر اختر کی روح سے خطاب

(حضرت کے انتقال پر فوری تاثر جو قبل از دفن قلم بند ہوئے)

قبلہ! چلے گئے؟ اتنی جلدی؟ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ ابھی تین ماہ نہیں ہوئے، آپ طالب جوہری صاحب سے کہہ رہے تھے کہ،

''آپ تو کہتے تھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' آج آپ نے بھی وہی کیا؟ کیا یہ ضرور تھا؟ ۷۶ برس بھی کوئی عمر میں عمر ہوتی ہے؟ 'تاریخ مرثیہ نگاری' کی ضخیم جلدیں کون چھاپے گا؟ 'لکھنؤ کے وہ مرثیہ نگار و مرثیہ خوان جنہیں میں نے دیکھا' وہ کتاب کون شائع کرے گا، کتنی کتابیں کمپوز کی ہوئی طباعت کے انتظار میں ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آپ کے جوایک کے بعد ایک عشرے لگے ہوئے ہیں، وہ کون پڑھے گا؟ کراچی میں لکھنؤ، اردو، تہذیب اور مرثیے کا علمدار کون ہے اب؟ ساری باتیں تو آپ بتاتے تھے، یہی نہ بتایا کہ جانے والا ہوں؟ ابھی آپ کی کربلا کے کفن میں لپٹی تصویر دیکھی، لگ رہا تھا کہ ابھی میر انیس کا شعر پڑھ دیں گے:

خیال آ گیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہان سے اصغرؑ تو مسکرا کے چلے

آپکے کسی چاہنے والے نے اتفاق سے اسی زمین میں آپ کے لیے یہ کہا ہے:

کہا ضمیرؔ نے دل سے ولایتِ حق میں
علیؑ کے عشق میں دنیا سے مسکرا کے چلے

آپ خوش ہو رہے ہوں گے نہ کہ ساری دنیا میں آج سیدِ سجادؑ کے ساتھ ان کے ذاکر کا بھی ذکر ہو رہا ہے۔ کسی شاعر نے کہا بھی:

مجلس کا آج فرش بچھے گا بہشت میں
مجلس پڑھیں گے رو بہ رو سجادؑ کے ضمیرؔ

وارثانِ غمِ حسینؑ کے سامنے ضرور پڑھیئے گا مجلس، مصائب میں رلایئے گا بھی، لیکن ہمیں زبردستی روتا چھوڑ گئے۔ دیکھ لیجئے خود ہی، آنسو رک نہیں رہے ہیں۔ یہ ادا اچھی نہ تھی۔ کچھ بات کر کے جاتے۔ قبلہ ظلم کیا یہ آپ نے۔ جایئے آج سے ہم آپ کا واٹس ایپ اکاؤنٹ ہی نہیں کھولیں گے۔ ایک میسج نہیں کریں گے آپ کو دیکھ لیجئے گا۔''

Presented by: https://jafrilibrary.com
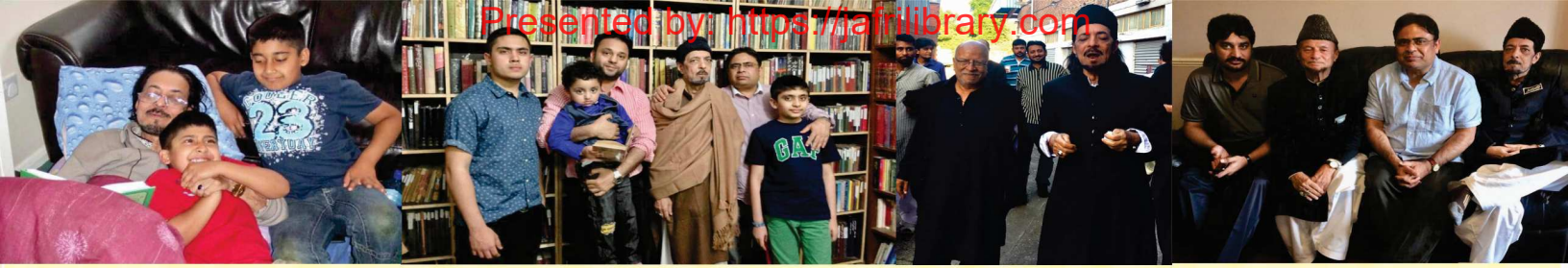
سیّد ناصر عباس جعفری

جنرل سیکریٹری (آغا آرگنائزیشن برطانیہ) ولائی ٹاؤن نارتھمپٹن

آخر ساتھ چھوٹ ہی گیا!

قبلہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے میری وابستگی ۱۹۷۹ء سے شروع ہوئی جب اولڈ رضویہ میں ضیاء بھائی کے پاس پڑھنے جایا کرتا تھا۔ عزائی ماحول کی وجہ سے میری تمام دوستیاں اولڈ رضویہ میں ہی تھیں۔ ایامِ عزا میں گھروں کی

مجالس قبلہ ہی پڑھا کرتے تھے۔

''کرتے ہیں ماتم حرم عباسؑ کا''

انجمن غمخوارانِ عباس ضیا بھائی کی نوحہ خوانی ہوتی تھی۔

۱۹۸۴ء میں جب میں نے پاکستان چھوڑا تو قبلہ نے امام ضامن باندھا اور ایئر پورٹ پر خدا حافظ کرتے ہوئے بولے ''رابطے میں رہنا'' اور پھر تب سے اب تک ہم ہمیشہ رابطے میں رہے۔ قبلہ سے جڑی یادیں واقعات اتنے ہیں کہ اگر میں لکھنے بیٹھوں تو پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ چونکہ وہ تاریخی مقامات دیکھنے کے بہت شوقین تھے، لہٰذا لندن سے لے کر اسکاٹ لینڈ تک کے تاریخی مقامات

میں نے اُن ہی کے ساتھ دیکھے۔ یورپ کی لارجسٹ مرکزی مجلس عزا جو کہ برطانیہ کے ولائی ٹاؤن نارتھمپٹن میں ہوتی ہے اس میں مستقل بانی کی حیثیت سے شرکت کرتے اور کئی ہفتہ میرے غریب خانہ پر اُن کا قیام ہوتا۔ قبلہ اپنے ساتھ رہنے والوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں کی سفارش پر ماجد رضا عابدی، اصغر خاں (شباب المومنین) حسین جری، ظل رضا، ظل ثقلین، محب فاضلی صاحب کو بھی اُنہوں نے ذکر محمدؐ و آل محمدؑ کرنے کے لئے برطانیہ بھجوایا اور جاوید مرزا صاحب کی بھی اُنہیں کی سفارش تھی لیکن پروانہ آ گیا اور اب جبکہ اربعین ۲۰۲۰ء پر جاوید مرزا برطانیہ آ رہے ہیں لیکن قبلہ جا چکے ہیں۔

یورپ کی مرکزی مجلس میں اہل برطانیہ جہاں پورا سال مجلس کا انتظار کرتے تھے وہیں اس بات کا بھی انتظار رہتا تھا کہ قبلہ کی کتابیں ملیں گی جن کو وہ چند ہفتہ پہلے ہی بھجوا دیتے تھے اور مجلس والے دن ریحان کے سپرد یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ مرکز علوم اسلامیہ کے اسٹال پر موجود رہیں۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کتاب پر قبلہ کے آٹوگراف بھی لے۔

ایک عہد ایک دور ختم ہو گیا۔ قبلہ نڈر، بے باک اور بلا خوف تعلیماتِ آلِ محمدؐ کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے۔ نہ کسی سے ڈرے نہ کسی کے سامنے جھکے۔ اسی لیے اُنہیں قائد ملتِ عزا و ولا بھی کہا گیا۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ بحق آئمہ اطہار اُن کے درجات بلند فرمائے۔ قبلہ ایک عہد ساز شخصیت اور بے شمار خوبیوں کے ساتھ ایک ''مجلسی عزادار'' تھے۔ والسلام

سیّد محمد احسن نقوی

ایڈووکیٹ

خطیب عالم اسلام علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی آج ہم میں نہیں رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ضمیر اختر تاریخ دان محقق مصنف مشاق خطیب، دانشور نابغۂ روزگار شاعر، لکھنوی تہذیب کے آئینہ دار اور وسیع المطالعہ شخصیت تھے ان کی لائبریری میں کئی لاکھ کتابیں موجود ہیں، مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں ان کا قانونی مشیر ہوں، ان کے تمام قانونی اور عدالتی معاملات میں دیکھتا رہا ہوں اور اہم مواقع پر مجھ سے قانونی مشاورت کرتے تھے، ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید پورا نہ ہو سکے اب ان جیسا فی البدیہہ حاضر جواب خطیب کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین یارب العالمین

ڈاکٹر محمد ظفر حیدری (ایڈیٹر حکیم الامت، سرینگر کشمیر):

آہ! علاّمہ ضمیر اختر نقوی

علامہ سیّد ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی کا انتقال حرکتِ قلب بند ہو جانے کے سبب ۲۴ ؍محرّم الحرام، مطابق ۱۳ ؍ستمبر ۲۰۲۰ء میں ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ کے انتقال کی خبر جونہی سوشل میڈیا سے وائرل ہوئی ان کے ہزاروں چاہنے والوں میں ایک غم کی لہر دوڑ گئی اور ہر کسی کے منہ پر تھا کہ ابھی تو کل ہی ہم نے علامہ کی مجلس سنی''۔ بہر حال موت برحق ہے۔

صبح کو طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کل من علیھا فان
موت سے کسی کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے
زندگی بے ثبات ہے اس میں
موت عینِ حیات ہے اس میں

ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی ۲۴ مارچ ۱۹۴۴ء کو مصطفیٰ آباد رائے بریلی اُتر پردیش میں پیدا ہوئے تھے۔ سیّد ظہیر حسن نقوی ان کے والد ماجد تھے۔

ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی برصغیر کے ممتاز خطیب، ادیب، محقق و نقاد اور متعدد کتابوں کے مصنّف تھے۔ وہ سہ ماہی ''القلم'' کے مدیرِ اعلیٰ بھی تھے۔ علاوہ ازیں موصوف چیئر مین مرکزِ علوم اسلامیہ اور ڈائریکٹر میر انیس اکیڈمی کراچی بھی تھے۔

علامہ کا آبائی وطن مصطفیٰ آباد ضلع، رائے بریلی تھا۔ ان کے دادا سیّد دیانت حسین یہاں کے رئیس تھے اور یہیں علامہ نے اپنی زندگی کی پہلی مجلس ۱۹۵۸ء میں پڑھی تھی۔ لکھنؤ میں خطابت کا آغاز ۱۹۵۹ء سے ہوا جو غالباً ۱۹۶۷ء تک مسلسل جاری رہا اور اسی سال علامہ نے پاکستان ہجرت کر لی جہاں علامہ رشید ترابی کی خطابت کا طوطی بول رہا تھا۔ دیگر ذاکرین میں علامہ ابن حسن جارچوی، مولانا مصطفیٰ جوہر، مولانا علی حاکم، مولانا محمد تقی، سہارنپوری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

راقم الحروف کے والدِ محترم جناب پروفیسر اکبر حیدری کشمیری کو علامہ کے ادبی خدمات کا اعتراف تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ ''ضمیر اختر نقوی ایک اچھے محقق اور بہترین خطیب ہیں خدا تعالی نے انھیں اعلی اور روشن دماغ سے سرفراز کیا ہے۔ ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی ذہین مشاق اور محنتی انسان میں ہونا چاہئے، اس پر طرّہ یہ کہ ان کے دماغ میں نادر و نایاب چیزیں محفوظ ہیں جن سے وقتاً فوقتاً ہم دور افگان بھی فیضیاب ہوتے ہیں وہ ایک ادارہ اور ایک انسٹی ٹیوٹ سے کم نہیں'' (خاندان میر انیسؔ کے نامور شعراء ضمیر اختر نقوی، صفحہ ۴۸)

ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی تصانیف کی فہرست طویل ہے جن میں سوانحِ رسولؐ اللہ خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعرا، عظمتِ صحابہ، دبستانِ ناسخ شعرائے اُردو اور عشقِ علیؑ، سوانحِ حیات حضرت جعفر طیّار، نوادراتِ مرثیہ نگاری، اشاریہ مراثی، مرزا دبیرؔ، معجزہ اور قرآن، تقاریر علامہ رشید ترابی، اُردو غزل اور کربلا، اردو مرثیہ پاکستان میں میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال، سوانحِ حیات شرف الدین شاہ ولایت، جوش ملیح آبادی کے مرثیے، شہید علمائے حق وغیرہ شامل ہیں۔

علّامہ کی حیات اور دینی، علمی، ادبی، تہذیبی خدمات پر ملتان یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شوذبؔ کاظمی نے ایک ضخیم کتاب ضمیرِ حیات (۲۰۰۹ء) میں لکھی ہے۔

بہر حال علامہ ضمیر اختر نقوی کی وفات ایام محرّم میں ہوئی اور وہ بھی چوتھے امام حضرت زین العابدینؑ کی شہادت (۲۵ محرّم) سے ایک دن قبل چونکہ علامہ ذاکرِ اہل بیتؑ تھے شاید اسی لئے اللہ کی بھی یہی مشیت تھی کہ انھیں ایام محرّم کی تاریخ ملے تا کہ لوگ غمِ حسینؑ کے ساتھ ساتھ ذاکرِ حسینؑ کو بھی یاد کریں۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اُردو میں تحقیق و تلاش، دریافت و بازیافت اور تصنیف و تالیف ہی مشکل ہے۔ انھوں نے ادب اور مذہب دونوں کی بے لوث خدمت کی رثائی ادب کے نئے جزیروں کے دریافت کندہ کی حیثیت سے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ کتب خانوں اور لائبریریوں میں نہ جانے کتنے ایسے مسودے اور کتنی ایک ایسی کتابیں جنھیں صرف انھوں نے پڑھا تھا اور صرف وہ پڑھ سکتے تھے۔ خدا جانے ان کے بعد کون وہاں تک پہنچے گا۔ علامہ کی بدولت بہت سے ادبی دفینے سرنو دریافت ہوئے اور اردو ادب کی تاریخ میں کئی اہم ابواب کا اضافہ ہوا۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کا ذاتی کتب خانہ بھی بے مثال ہے جس میں سیکڑوں کی تعداد میں کتابیں اور مخطوطات محفوظ ہیں۔

اس کتب خانہ سے ان کے علمی و ادبی کارناموں کی قدر و منزلت عوام و خواص پر مزید آشکار ہو جائے گی۔ ان کی علمی و ادبی رفعتوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے گا۔

فی الوقت ہم میرؔ کے اس شعر پر اپنی بات کو تمام کریں گے کہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ڈاکٹر ریحانؔ اعظمی:

منظوم خراجِ عقیدت

علم گُستر ، فیض گُستر ، محترم ، عزّت مآب
شاعرِ آلِ محمدؐ ، ذاکرِ گردوں خطاب
رونقِ منبر ، عزادارِ امامِ انقلاب
دسترس تاریخ پر بے حد بہ فیضِ بوترابؑ
ان کے جیسا عصرِ نو میں صاحبِ منبر نہیں
بے ضمیروں سے جو ڈر جائے ضمیراختر نہیں
دوستی ان کی کتابوں سے قلم سے یاریاں
حرف و معنی سے بڑی مضبوط رشتہ داریاں
روز و شب تحقیق کی کرتے ہیں یہ گُلکاریاں
بند ہیں مٹھی میں اِن کے علمی ورثہ داریاں
لفظ کی معراج ہے جو اِن کے لب تک آگیا
بے ادب اِن کے تصوّر میں ادب تک آگیا
کتنے بے توقیر ذرّے بن گئے ہیں آفتاب
آپ سے تعلیم پاکر سیکھ کر فنِ خطاب
آپ کے دستِ عطا سے لے گئے تعبیرِ خواب
کتنے کانٹے تھے جو مہکے شہر میں بن کر گلاب
مفلسانِ علم کو علمی جواہر دے دیئے
مرثیے کے روپ میں الفاظ طاہر دے دیئے
ان کے خامے کی متاعِ بے بہا تزُکِ ادب
حاشیہ بردار اِن کے ہوگئے مشہور سب
یہ وفا پرور وفا اِن سے کسی نے کی ہے کب
لے کے کشکولِ سخن پھرتا ہے وہ غیروں میں اب
جس کو اپنے خونِ دل سے ماہِ کامل کردیا
ظرف کا مفلس تھا اُس نے اِن کو گھائل کردیا
اَن گِنت علمی کتابیں ان کی فکری منزلت
اَن گِنت غزلیں سلام و مرثیے اور منقبت
آپ کی شعلہ بیانی ہے کثیر المملکت
عِلم کے میدانِ میں قائم ہے ان کی سلطنت
مثلِ شاخِ گُل کہیں اِن کا قلم تلوار ہے
اِن کے جیسا اہلِ فن ملنا بہت دشوار ہے
بے عقیدہ لوگ اِن کی بزم سے ہیں دور دور
آ نہیں سکتا کوئی نزدیک اِن کے بے شعور
خاور علم و ادب کا اِن کے سینے میں ہے نور
انکساری ہے طبیعت میں نہیں کوئی غرور
اس قدر ہر دور میں کی ہیں رثائی کاوشیں
ہر کُتب خانے میں ہیں اِن کی عزائی کاوشیں
یہ ضمیرِ فکر ہیں کہتا ہے ریحانِ عزا
یہ مُبلّغ کربلا کے اِن کے دل میں کربلا
کچھ نہیں علم و ادب سے ہٹ کے ان کا مشغلہ
رونقِ منبر رئیسِ منبرِ آلِ عباؑ
ہیں خطیبِ آلِ اطہر صاحبِ کردار ہیں
ناشرِ کرب و بلا ہیں زندہ و بیدار ہیں

❁❁❁

محبؔ فاضلی (شاعرِاہلبیتؑ، کراچی):

زندہ ضمیر لوگ تھے ، جو روز و شب لڑے
علم و ادب کی جنگ تھی اہلِ ادب لڑے
شک اس میں کیا جو حلقہ بگوشانِ جہل تھے
اس دور کے انیسؔ سے وہ کم نسب لڑے
جو زر طلب تھے جامعۂ سبطین کی قسم
ہم سے وہ لوگ عشقِ علیؑ کے سبب لڑے
اسباب بھی قلیل تھا لیکن علیؑ تھے ساتھ
اب ہم سے کیا مجال کوئی بولہب لڑے
جو فرض و قرض ہم پہ تھا واجب ادا کیا
کہہ دو رقیبِ علم سے ، ہم سے وہ اب لڑے
زندہ ضمیرؔ رہتا ہے اس واسطے محبؔ
کم ظرف جتنے لوگ تھے ہم سے وہ سب لڑے

مُحبؔ فاضلی ،اکتوبر، ۲۰۲۰ء

پروفیسر سیّد قاسم رضا نقوی (خطیب اہلِ بیتؑ، کراچی)

''بھیا''

برادرِ بزرگ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ پاکستان میں دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ خطیب تھے، لکھنوی تہذیب وثقافت کا آئینہ، آپ کا اندازِ بیاں، الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ادائیگی، لب و لہجے کا اتار چڑھاؤ اشارے، کنائے، تمثیل، غرض قبلہ کا انداز خطابت ایک منفرد اندازِ بیان تھا۔

مختصر خطبہ پڑھ کے آغازِ گفتگو ہی سے ایسا سماں باندھ دیتے تھے کہ سامع ہمہ تن گوش متوجہ ہو جاتے اور داد دینے پر مجبور ہو جاتے۔ بقول آغا تاثیر لکھنوی:

یوں اُبھر کر جوہر ذاتی فسانہ ہو گیا
علم وفن کا آپ کی قائل زمانہ ہو گیا
پیکرِ انسانیت علم وعمل کی شاہراہ
آپ کی اس قابلیت پر ہر ایک عالم گواہ
علم وفن کا آپ نے اپنا دیا ایسا ثبوت
دشمنوں کے دل پہ چھایا ہے ندامت کا سکوت

بقول رہبر ہاشمی:

ہیں ادیبوں میں بے نظیر ادیب
ہیں خطیبوں میں بے مثال خطیب
اہلِ دانش میں ہیں عجیب وغریب
سب کے روحِ رواں ضمیر اختر
قوم کا نوجواں ضمیر اختر
فکر کا کارواں ضمیر اختر

قبلہ مرحوم راقم کے خالہ زاد بھائی بھی تھے اور معلم بھی، ہمارا مرحوم کا ساتھ تقریباً پچاس برس رہا۔ یعنی ۱۹۷۰ء تا ۲۰۲۰ء مرحوم کو اُن کی تین بہنیں ''بھیّا'' کہتی تھیں ہم نے بھی اُن کو ہمیشہ بھیّا ہی کہا۔

ہماری زبان سے ادا ہونے والا لفظ ''بھیّا'' رضویہ علی بستی کے نوجوانوں کو کچھ اتنا پسند آیا کہ اُن کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد اپنائیت سے ان کو ''بھیّا'' کہنے لگی۔

مرحوم سے ہم نے بہت کچھ سیکھا اور سیکھنے کی کوشش کی آج ہم جس قابل بھی ہیں اس میں مرحوم کا بڑا حصّہ ہے۔ ہم اُس وقت دس برس کے تھے جب مرحوم لکھنؤ سے ہجرت فرما کر کراچی تشریف لائے ہم سائے کی طرح ''بھیّا'' کے ساتھ رہتے، اُن کی مجالس غور سے سنتے اور پھر بچوں کی مجالس میں جس قدر یاد ہوتی دہرا دیا کرتے یوں سمجھ لیجئے قبلہ کی خطابت کا جو عروج تھا وہ ہمارا نقطہ آغاز تھا۔ ہم نے کچھ یادوں کو اُس مجلس میں بھی بیان کر دیا تھا جو مجلس ہم نے ان کے دسویں کے موقع پر ان کی ہمشیرہ اور بہنوئی سید ناصر رضا رضوی کے حکم پر پڑھی تھی جو یوٹیوب پر دیکھی جاسکتی ہے۔
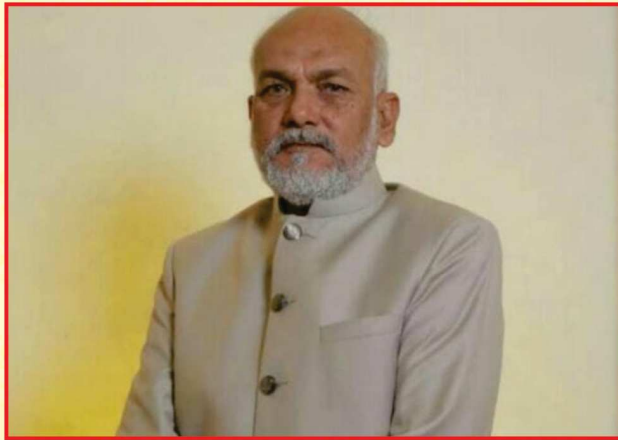
مضمون کو ختم کرتے ہوئے ہم اُن کے تمام رفقا عزیز واقربا واحباب بالخصوص ان کے بھائی سیّد تنویر اختر نقوی (لندن) سیّد محمد علی نقوی بیرسٹر (امریکہ) فرزندِ محسن اختر نقوی اور بیگم وسیّد علی اختر زیدی (لندن) بیگم وسیّد ناصر رضا رضوی سے تعزیت کرتے ہیں۔ پروردگارِ عالم مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

معروف شاعر اہلِ بیت سیّد علی انصر رضوی مرحوم نے قبلہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کو اُن کی عظیم الشان خدمات پر کس خوبصورت انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

کہنے کو بابِ علم کا ادنیٰ فقیر ہے
لیکن اسی جہت سے یہ روشن ضمیر ہے
اے پیکرِ ذہانت و ایثار مرحبا
اے جانثارِ سیّد ابرار مرحبا
اے کربلا کے مونس و غمخوار مرحبا
تحقیق و جستجو کے طلبگار مرحبا
تُو ہم نوائے فکرِ شہِ مشرقین ہے
تُو ہے حَسین تیرا آقا حُسینؑ ہے

مبشر علی زیدی:

علامہ صاحب اپنے زمانے کے انیسؔ تھے

محرم عزاداروں کے لیے کوئی چوائس نہیں لاتا۔ مجلس جہاں بھی ہو رہی ہو، چلے جاتے ہیں۔ فضائل سن کر نعرے لگاتے ہیں۔ مصائب سن کر روتے ہیں۔ نوحہ سن کر بے اختیار ماتم کے لیے ہاتھ اٹھ جاتے ہیں۔ پینتیس سال پہلے انچولی میں پہلا محرم کیا تو جہاں سے مجلس کی صدا بلند ہوئی، وہاں پہنچ جاتا تھا۔ چند مجلسیں ایسے کیں۔ پھر ایک خطاب ایسا سنا کہ علامہ صاحب کا پرستار ہو گیا۔ لڑکپن کا زمانہ تھا۔ شام کو امروہا گراؤنڈ میں کرکٹ اور فٹبال کھیلی جاتی تھی۔ لیکن اگر کہیں سے علامہ ضمیر اختر نقوی کی آواز آ جاتی تو سب چھوڑ چھاڑ کے مجلس میں جا بیٹھتا۔ مجھے ایسی مجلسیں بھی یاد ہیں جب گنتی کے چار چھ سننے والے ہوتے تھے۔ ایک میں ہوتا تھا۔ ایمان کی بات ہے کہ علامہ صاحب نے کبھی لوگوں کی تعداد دیکھ کر علم میں کمی بیشی نہیں کی۔ ایسا وقت بھی آیا کہ ایک ایک دن میں ان کی چار چار مجلسیں سنیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اور علما کی مجالس نہیں کیں۔ حضرت طالب جوہری، علامہ عرفان حیدر عابدی، خطیب اہلبیت تاج الدین حیدری، قبلہ عبدالحکیم بوترابی، آغا نسیم عباس، ایک سے بڑھ کر ایک ذاکرِ حسین موجود تھے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ علامہ ضمیر اختر کی کس بات نے ان کے تعاقب پر مجبور کیا؟ میرا تعلق میڈیا سے ہے۔ پیشہ ور صحافی اور پروڈیوسر بعد میں بنا لیکن جراثیم پہلے سے موجود تھے۔ ادب اور تاریخ سے دلچسپی تھی۔ علامہ صاحب منبر پر تاریخ پڑھتے تھے۔ اسے دلچسپ انداز میں سناتے تھے۔ آواز سے منظر کشی کرتے تھے۔ باڈی لینگویج سے سمجھاتے تھے۔ پھیکا سیٹھا خطاب نہیں ہوتا تھا۔ مکمل پرفارمنس ہوتی تھی۔ پورا پیکیج ملتا تھا۔ کتابوں میں پڑھا ہے کہ میر انیسؔ مرثیہ پڑھتے ہوئے آواز اور چہرے کے تاثرات سے آنکھوں کے سامنے کربلا کا منظر کھینچ دیتے تھے۔ علامہ صاحب اپنے زمانے کے انیسؔ تھے۔ مجلس سننے کو ادیب شاعر اور عالم بھی آتے ہیں اور ہم جیسے کم پڑھے لکھے لوگ بھی۔ علامہ صاحب سب کی تعلیم کا خیال رکھتے تھے۔ مجھے کئی الفاظ یاد ہیں جو انھوں نے منبر سے بیٹھ کر سمجھائے۔

مثلاً ایک بار بتایا کہ طومار کیا ہوتا ہے۔ قدیم زمانے میں لمبا سا خط لکھ کر گول کر کے پیغام رساں کو دیا جاتا تھا۔ تاریخی فلموں کے بعض مناظر میں ویسے خط دکھائے جاتے ہیں۔ انھیں طومار کہا جاتا تھا۔ علامہ صاحب کے بتانے سے محاورہ سمجھ میں آیا کہ لکھ لکھ کر طومار باندھنا کیا ہوتا ہے۔ ایک بار چلتر کے معنی بتائے۔ یہ لفظ عام طور پر عورت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ علامہ صاحب نے ایسی مثال دی کہ زندگی بھر کے لیے چلتر کا مطلب سمجھ میں آ گیا۔

علامہ صاحب کے قوم پر کئی احسانات ہیں۔ ان احسانات کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام انھوں نے کیے، انھیں جاری رکھا جائے۔ ایک یہ کہ وہ رمضان کا پورا مہینہ تفسیر پڑھتے تھے۔ مجھے وہ رمضان بھی یاد ہیں جب انھیں امام بارگاہ نہ ملا تو انھوں نے کسی کے گھر پر مہینہ بھر مجلس پڑھ دی۔ لوگوں نے ان مجلسوں پر تراویح کی پھبتی کسی لیکن وہ بددل نہیں ہوئے اور علم تقسیم کرتے رہے۔ ایک کارنامہ ان کا مختار نامہ تھا جو آخری عشرے میں سنایا کرتے تھے۔ اس کی ایسی عادت پڑی کہ مختار نامہ سنے بغیر محرم مکمل نہیں لگتا تھا۔ غم حسینؑ میں کبھی کمی نہیں آ سکتی لیکن یزیدیوں کے مظالم جان کر جو غصہ آتا تھا، خون جو کھولتا تھا، اس کے بعد علامہ صاحب سے مختار نامہ سن کر ہی دل میں ٹھنڈک پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ انجمن رضائے حسینی کا یوم زینب ہے جو ہر سال گیارہ محرم کو منایا جاتا ہے۔ علامہ صاحب اس کی مجلس پڑھتے تھے اور بی بی زینب کا غلام ہونے کا حق ادا کر دیتے تھے۔ یوم زینب اور علامہ صاحب کی مجلسیں نہ صرف مومنات کے لیے مشعل راہ ہیں بلکہ میں نے فیمنسٹ خواتین کو ان کا ذکر کرتے پایا ہے۔ ممتاز شاعرہ فہمیدہ ریاض نے بی بی زینب کے خطبہ شام کو نظم بھی کیا ہے۔ بعض غیر شیعہ دوست مجھ سے پوچھتے تھے کہ سوشل میڈیا پر علامہ صاحب کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے۔ انھیں بہت رنج ہوتا ہوگا۔ میں چپکا رہتا تھا۔ کیا بتاتا کہ ان کے ساتھ اپنوں نے کون سا اچھا سلوک کیا کہ غیروں کی بدسلوکی کو دل پر لیتے۔ ہاں ان کے انتقال کے بعد اپنوں اور غیروں، سب کو افسردہ دیکھا اور بہت سے لوگوں نے تسلیم کیا کہ وہ ایک بڑے عالم کو اس کی زندگی میں نہ پہچان پائے اور نہ ایسا احترام کر سکے جیسا اس کا حق تھا۔ میری بدقسمتی کہ تیس سال کراچی میں علامہ صاحب کی سیکڑوں مجلسیں کرنے کے باوجود کبھی ان سے ملاقات نہیں کی۔ واحد ملاقات گزشتہ سال ورجینیا میں ہوئی اور وہ اب زندگی بھر کے لیے سرمایہ ہے۔ علامہ صاحب اب ہمارے درمیان نہیں لیکن جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ان کی مجلسیں انٹرنیٹ پر موجود ہیں اور ہر شخص کو موبائل فون میں دستیاب ہے۔ جب تک ہم زندہ ہیں، امام حسینؑ کا غم مناتے رہیں گے، علامہ صاحب کی مجلسیں سنتے رہیں گے۔

حیدر زیدی ہاشم پوری:

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

بچھڑا کچھ اس طرح سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

قائدِ ملّتِ عزا، وارثِ شاہِ وِلا، مالکِ قرطاس وقلم ثانی بوذرؓ وسلمانؓ، وقنبرؓ ومیثمؓ، بادشاہ مملکتِ عزا مینارۂ عظمت، منبع شرافت، راہِ ہدایت، پیکر رُشد و نجابت، حواری مہدیت، حضرت علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی ہم سے جُدا

ہوگئے۔ دل کوکسی پل قرار نہیں، اُن کے بارے میں کیا بیان کروں، ہر مجلس اور محفل میں علاّمہ صاحب کی نغمگی اور دلکش آواز جب قلوب میں رَس گھولتی ہوئی مودّت اہلِ بیتؑ کی چاشنی لیے روح کی گہرایوں میں اُتر کر سکون فراہم کرتی تھی اور یہ تاجدارِ اقلیم سخن اپنے لفظوں کو تختِ سلیمانؑ بنا کر سامعین کو ہواؤں کے دوش پر اُڑا کر کبھی بطحا کبھی کاظمین کبھی خُراسان، کبھی سامراہ، کبھی شام، کبھی نجف کبھی کربلا کی سیر کراتے اور معرفت کے گوہر آبدار سُبک رفتاری سے نچھاور کرتے ہوئے جانبِ فضائل ومناقب بڑھتے تو خطابت کے سمندر میں جلال آجاتا۔ جس طرح چودھویں رات کو چاند اپنی بھرپور آب وتاب کے ساتھ جلوہ نما ہوتا ہے سمندر اُس کے حُسن کو دیکھتے ہی اُس کے عشق میں ڈوب کر اپنی جولانیاں دکھاتا ہے، بالکل اُسی طرح نورِ حقیقی علامہ صاحب کے سامنے عیاں ہوتا چہرے سے پاکیزہ نور کی کرنیں سامعین کے دل مُنوّر کر رہی ہوتی تھیں تو مَیں عالمِ وجد میں کھڑے ہو کر نعرۂ حیدری لگاتا تھا اور پھر میری آواز گونجتی ''برائے صحت وسلامتی قائد ملّتِ عزا حضرت علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی نعرۂ صلوٰۃ''، مجمع اُسی جوش میں جواب میں درود پڑھتا تھا۔

اَللّٰھُم صَلِّ عَلیٰ مُحمدٍ وّآلِ مُحمّد

علاّمہ صاحب سامعین کو دعا دیتے کہ تم سلامت رہو، تم زندہ رہو، تمہارے گھر آباد رہیں۔ افسوس صد افسوس اب دعائیں دینے والا ہم سے بچھڑ گیا۔

علاّمہ صاحب کا کوئی ایک عمل بھی ایسا نہیں جو تعلیماتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے خلاف ہو بلکہ ان کی زندگی تو آئینہ ہے۔ پَرتو ہے معصومؑ کا، کردار میں، گفتار میں، رفتار میں، محفل میں، مجلس میں، گھر میں، دیارِ غیر میں، عبادت میں، ریاضت میں، شرافت میں، نجابت میں، طہارت میں، ولایت میں، معرفت میں، معصومین علیہم السلام کا عکس۔ انھیں پارس دین کہوں یا سلمانِ زمانہ سچّے، صاف گو، راسخ العقیدہ، عالم باعمل، فقیہ، مُفسر، فرامینِ معصومینؑ کے مطابق بندگی کے جذبے سے سرشار، نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی، اپنی پاکیزہ زندگی کو تعلیمات محمدؐ وآلِ محمدؐ پھیلانے اور عزاداری کرنے میں وقف کر دیا۔ جس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی گزری ہی علم وعمل کے گھرانے میں ہو، جس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون ہی پاکیزہ ہو، عالی خاندان، عالی نسب نجیب الطرفین سادات، پرورش شہرِ علم وادب لکھنؤ میں ہوئی ہو، نَس نَس میں وہاں کی تہذیب رَچی بسی ہو، سِوا ولائے علیؑ کچھ جاننا ہی نہ چاہتا ہو، اپنا تن، من، دھن سب کچھ نام کر دیا۔ عزاداری کیلئے۔ روحانی منزل ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی یہ تو عطا ہے۔ یہ تو طُغرا ہے، جو درِ زہراؑ سے علامہ صاحب کو ملا۔ یہ اُسی صورت میں ملتا ہے جب انسان معرفت کی سیڑھی چڑھ کر دعائے زہراؑ کا جام پی کر اَمر ہو جائے۔ اَمر تب ہوگا جب اپنے اعضا و جوارح، دل و دماغ، سوچ وافکار اور اپنی زندگی کو محمدؐ وآلِ محمدؐ کے نام کر دے۔ اِدھر زندگی اُن کے نام ہوئی اُدھر معرفت کی منزل کو پالیا تو روحانیت مل گئی۔ جسے روحانیت مل گئی وہی تو عالم ہے۔ وہی تو فقیہ ہے۔ وہی تو نفسانی خواہشات کی غلامی سے دور ہے، وہی تو اپنے مولا کا اطاعت گزار ہے۔ وہی تو قابلِ تقلید ہے، اُس کا ہر عمل خوشنودی زہراؑ ہے۔

زندہ ہے ضمیرؔ اور سدا زندہ رہے گا
پچھتاتے ہیں وہ جن پہ یہ کل تک نہ عیاں تھا

اب علاّمہ صاحب کی باتیں، اُن کے افکار، اُنکا طرزِ زندگی، قوم کی خدمت، فروغِ عزاداری میں اُن کا کردار، قوم کا وقار بلند کرنے میں اُن کا عمل اور آلِ محمدؐ سے عشق ومودّت قوم کو یاد آئے گی۔ مجھے ارتضیٰ بھائی کا ایک جملہ یاد آرہا ہے اس وقت وہ ریاض میں ہیں اُنھوں نے علاّمہ صاحب کی چار کتابوں، سوانح شہزادی فاطمہ زہراؑ، ۲۰۰۷ء، سوانح شہزادۂ علی اکبرؑ ۲۰۱۸ء، سیرتِ شہزادیِ زینبؑ ۲۰۱۹ء اور ''سیرتِ امام حسنؑ ۲۰۲۰ء کی اشاعت میں علامہ صاحب کی بھرپور معاونت کی اور کمپوزنگ سے لے کر بائنڈنگ تک تمام اخراجات اُٹھائے، مولا حسینؑ انھیں آباد وشاد رکھیں۔

اُنھوں نے یہ جملے کہے کہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی کو شہزادی کونین جنابِ سیّدہؑ نے آلِ محمدؐ کا امبیسڈر (سفیر) بنا کر دنیا میں بھیجا تھا قوم نے قدر نہ کی،

اُن کا مذاق اُڑایا اُن پر نازیبا جملے کسے، شہزادیِ کونینؑ نے واپس بُلا لیا۔ اور حقیقتاً ایسا ہی ہے۔ علامہ صاحب نے منبر سے کئی بار ارشاد فرمایا کہ کراچی والوں نے ضمیر اختر کو پہچانا نہیں، ہماری باتیں جب ہم چلے جائیں گے ہمارے بعد یاد آئیں گی۔

کس شان سے علاّمہ صاحب کا جنازہ اُٹھا کیا کہنے۔ لاکھوں کا مجمع ہر آنکھ اشک بار تھی، خدا جانے جن تھے کہ ملک جو انسانی شکل میں موجود تھے امام بارگاہ شہدائے کربلا، امروہہ گراونڈ گلیاں اور سڑکیں انبوہِ کثیر سے پٹی پڑی تھیں۔ علامہ خورشید عابد نقوی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حیدر حیدر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں جنازہ وادیِ حسینؑ لے جایا گیا۔ سڑک کے دونوں طرف ہزاروں خواتین اور بچّے دور سے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر سفیرِ جنابِ سیّدہؑ کے جنازے کو اسی طرح چوم رہے تھے جیسے تابوت کی زیارت کی جاتی ہے۔ سہراب گوٹھ کے پُل سے لے کر ٹول پلازہ تک علاّمہ صاحب کے چاہنے والوں کا اژدھام تھا جو کئی میل ایک طویل راستہ ہے۔ یہ طویل جلوس جو لاکھوں افراد پر مشتمل تھا۔ جب وادیِ حسینؑ قبرستان پہنچا تو کوئی آواز ایسی نہ تھی کہ جو خاموش رہی ہو۔ سب دھاڑیں مار مار کر گریہ و بُکا کر رہے تھے۔

علاّمہ صاحب کے چہرے پر وہی مجلسی نور تھا وہ نور حقیقی چہرے سے نور کی کرنیں، بکھیر رہا تھا، پاکیزہ نور کی کرنیں ہمارے دلوں کو منور کر رہی تھیں میں عالم وجد میں کھڑے ہو کر تو نہیں قبر کے سرہانے دوزانو بیٹھ کر صحت و سلامتی تو نہ کہہ سکا دل کو دھچکا لگا اور بے ساختہ پکارا:

برائے بلندی درجات قائدِ ملّت عزا حضرت علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی نعرہِ صلوٰۃ وادیِ حسینؑ میں علاّمہ صاحب کے محبوں کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخیں بلند ہوئیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

طارق وحید

سائبان اُٹھ گیا

بچپن کی بے فکری کا زمانہ ختم ہوا تو زندگی نے پڑھائی اور غمِ روزگار کے کئی موڑ مڑتے ہوئے کراچی پہنچا دیا۔ کسی بھی شخص کا پہلا تاثر آپ کے خیال سے چمٹ کے رہ جاتا ہے۔ اگر وہ تاثر مثبت ہو تو اس شخص کے لیے آپ کی آنکھ پر حیا کا ایک پردہ رہ جاتا ہے۔ پہلی ملاقات میں اُنہوں نے پوچھا کہاں رہتے ہو، فیصل آباد سے آیا ہوں۔ کس نے بھیجا ہے؟ میں نے بتایا کسی نے بھی نہیں، خود ہی آیا ہوں۔

الفاظ میں نفاست، لہجے میں شفقت کے رنگ، برتاؤ میں معصومیت کا اظہار اور انداز میں گزری ہوئی تہذیب کے آثار مجھے کھینچتے چلے گئے۔ کسی بات پر کہیں حیرت کا جھٹکا لگتا کہ یہ شخص بات کر رہا ہے یا آزاد نظم کہہ رہا ہے۔ کہیں مسکراہٹ پھیل جاتی کہ یار یہ شخص اندر سے کتنا حسین ہے۔

کسی سے محبت اور نفرت کرنے کے لیے ہم کسی معاشرتی اجازت نامے کے پابند نہیں ہیں۔ محبت کی وجہ کیا ہے، یہ بتائی تو جاسکتی ہے مگر سمجھائی نہیں جا سکتی۔ علامہ صاحب کہا کرتے تھے ”میں نے اس قوم کے ایک ایک فرد کو اپنے بھائی اور بیٹے کی طرح چاہا ہے۔“

علامہ صاحب کے ساتھ رہ کر میری پروفیشنل کارکردگی کو چار چاند لگ گئے، اُنہوں نے جس طرح ہمیں نکھارا ہے اُس کا ذکر اُنہوں نے منبر سے یوں کیا ”میرے کمپوزر بالکل میرے مزاج میں رنگ گئے ہیں، کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔“

انسانی نفسیات کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص ہمارے درمیان زندہ ہوتا ہے، ہم اس کی قدر نہیں کرتے اور جب وہ اس دارِفانی سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کی خوبیاں واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔

میں نے علاّمہ صاحب کے ساتھ تقریباً ۱۵ سال گزارے، میں نے علاّمہ صاحب جیسا شفیق اور انسان دوست کسی کو نہیں پایا۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی وفات وطنِ عزیز کیلئے کسی سانحے سے کم نہیں ہے کیونکہ آج ان کی وفات کے موقعے پر وہ سوشل میڈیا بھی غمزدہ نظر آتا ہے جہاں کبھی انہیں ہدفِ تنقید بنایا جاتا تھا۔ یہ بے جا تنقید کرنے والوں کیلئے ایک بڑا لمحہ فکریہ ہے، افسوس کہ علامہ ضمیر اختر نقوی آج ہم میں موجود نہیں رہے، ان کی وفات سے تحقیق اور ذکرِ اہلِ بیتؑ کا ایک اہم باب اختتام پذیر ہوا۔

جنہوں نے ضمیر اختر نقوی کے لیے طنز و مزاح روا رکھا، جو مذاق اڑانے کو مزاح جانتے ہیں ان کا بھی کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے لیکن اپنے طور پر یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جیتے جی ان کی قدر دانی کی، اور اُن کی ہر کاوش میں اُن کے ساتھ رہا۔ اُن کی مجالس آن لائن شروع کیں۔ سوشل میڈیا پہ اُن کے ہر منفی پروپیگنڈے کا بھرپور طریقے سے دفاع کیا، اُن کے علمی کام میں ہر ممکن مدد کی، جس کے وہ معترف بھی رہے اور اکثر منبر سے ذکر کرتے۔ دو دفعہ کارکردگی ایوارڈ سے بھی نوازا۔

جب سے علامہ صاحب گئے ہیں اداسی چھائی ہے۔ کسی کے لیے ایک خطیب و ذاکر کی موت ہوگی، جس نے ادب کے اداس گوشے میں اپنے حصے کی جان کھپائی تھی لیکن وہ میرے لیے ایک سائبان کی حیثیت رکھتے تھے، جب سے گئے ہیں لگتا ہے کسی نے مجھے دھوپ میں بٹھا دیا ہے۔

ریحان احمد:

ضمیر سب کا جگا کر وہ منہ کو موڑ گیا

یہ کوئی بیس برس پرے کی بات ہے کہ جب میری پہلی ملاقات علّامہ صاحب سے ہوئی، اُن کی کتاب نوادراتِ مرثیہ نگاری کی دونوں جلدیں اور دیگر کئی ادبی کارنامے منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ ادبی جریدہ القلم بھی باقاعدگی سے آ رہا تھا، غالباً شمارہ ۷ ''القلم'' کے متعلق جو خطوط اُنھیں دنیا بھر سے موصول ہوئے تھے اُن کے جوابات تحریر کر کے نہایت سلیقے اور اطمینان سے لفافوں میں پیک کر کے ارسال کرنے کی تیاری تھی۔

میرا اوائلِ عمری کا زمانہ تھا کہ جب میں نے بحیثیت کمپوزر علّامہ صاحب کی کتابوں پر کام شروع کیا، یکے بعد دیگرے کتابیں چھپتی رہیں اور مجھے ایک بہترین مکتب مِل گیا اور میرے علمی سفر کا آغاز ہوگیا، علّامہ علم کے دریا بہاتے رہے اور ہم کشف کرتے رہے، اُن کے تحقیقی کارنامے منظرِ عام پر آتے رہے اور عوام الناس مستفید ہوتی رہی، کسی بھی تحقیقی کام میں علّامہ صاحب کی طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی اور ایک ایسا موضوع جو بظاہر قاری کو ہر پہلو سے مکمل نظر آنا چاہیئے اُس میں بھی تحقیق کے نئے گوشے نکال لیتے کہ پڑھنے والا عش عش کر اُٹھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ علّامہ کی کتابیں پڑھنے والا قاری پھر کسی اور کو پڑھنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

عِلم و ادب اُن کی نس نس میں سمایا ہوا تھا، اُٹھنا، بیٹھنا، اوڑھنا بچھونا سب کا سب ہی ادب تھا۔ غیر محسوس طریقے سے ایسی اصلاح کرتے کہ غلطی کرنے والے کو بُرا بھی نہ لگے اور اُس کی شخصیت نکھرتی چلی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی لوگ اُن کی تربیت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ اور خود راقم الحروف کی شخصیت پر بھی اُن کا گہرا اثر ہے۔

اپنے وطن لکھنؤ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اُن کے ساتھ کئی بین الاقوامی سفر کیئے جس میں سے لکھنؤ کا سفر یادگار ہے، کئی یادیں جنھیں لکھا جائے تو مضمون طویل ہوجائے گا، ۲۰۱۲ء کی بات ہے اُس سفر پر اُن کی کیفیت دیدنی تھی طویل عرصے بعد اپنے وطن لکھنؤ جا رہے تھے۔ پاکستان میں ماہِ صفر کی مجالس کے مصروف شیڈول کی تھکن اپنی جگہ اور کراچی سے لاہور اور لاہور سے دہلی کی طویل فلائیٹ نے بھی تھکاوٹ میں اضافے کا مکمل سامان کیا لیکن انڈیا پہنچنے کے بعد جوں ہی دلّی سے بذریعہ ٹرین لکھنؤ کے سفر کا آغاز ہوا وہ اپنی تھکن بھول گئے، اور جیسے جیسے لکھنؤ قریب آ رہا تھا اُن کا چہرہ پھول کی مانند کھلتا جاتا تھا۔ اتنی تھکن کے باوجود پوری رات جاگ کر اور ٹرین کی کھڑکی سے نظارہ کرتے گذاری۔ جیسی اُنھیں لکھنؤ سے محبت تھی ویسی ہی لکھنؤ کو اُن سے تھی، لکھنؤ نے اُنکا والہانہ استقبال کیا، پہنچتے ہی درگاہ حضرت عباس پر حاضری دی، اگلی صبح اپنے آبائی محلّے وزیر گنج گئے، اپنے آبائی گھر کو بہت دیر دیکھتے رہے، محلّے کے لوگوں سے ملتے رہے اور اُنھیں اُن کے دادا پردادا کے ساتھ گذرا وقت یاد دلا کر یادیں تازہ کیں۔ گھر کے قریب واقع سٹی اسٹیشن گئے اور حامد پارک پر اپنے گذرے بچپن کے بارے میں مجھے بتاتے رہے، سلطنت منزل کے قریب کھڑے ہو کر تصویر بنوائی اور اُس کی تاریخ بیان کی۔ ۹ دِنوں میں ۵۲ مجالس کو خطاب کیا، صبح ۸ بجے مجالس سے خطاب کرنے نکلتے تو رات ۴ بجے تک واپسی ہوتی، پورا لکھنؤ جاگ رہا تھا ہر گلی میں شب بیداریاں ہو رہی تھی، علّامہ کے پہنچ جانے سے وہاں کا جوش و ولولہ مزید بڑھ گیا تھا۔ غرض یہ مناظر ذہن میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

محترم افتخار عارف صاحب نے بھی اپنے بچپن کی یادیں اِس مجلّے میں قلمبند کی ہیں، لکھنؤ ابھی بھی ویسا ہی ہے جیسا اُن کے بچپن میں تھا۔

یکے بعد دیگرے اپنی ہمشیرہ شہناز نقوی مرحومہ اور پھر برادرِ بزرگ جناب محسن اختر نقوی مرحوم کی وفات کا غم ایک طرف تو معاشرے کے بگڑتے ہوئے حالات نے اُنھیں بہت رنجیدہ کر دیا تھا، ہمارے کمپیوٹر روم میں کرسی لگا کر بیٹھ جاتے، برادرِ بزرگ محسن اختر نقوی مرحوم کے ساتھ گذرا بچپن یاد کر کے بہت خوش ہوتے اور یادوں کی بارات لگا دیا کرتے تھے۔ مصطفٰی آباد اور لکھنؤ میں گذرا وقت ہمیشہ اُن کا پسندیدہ موضوع رہا۔

مال و دولت کو کبھی خاطر میں نہ لائے اور نہ کبھی کسی کے عہدہ و منصب سے مرعوب ہوئے، سچی اور کھری بات کہی چاہے سامنے کوئی بھی ہو، اگر کوئی چاہتا کہ اُن کے قریبی لوگوں میں اُس کا شمار ہو تو اُس کا ایک ہی معیار تھا اور وہ تھا ''خلوص''، پھر چاہے وہ امیر ہو یا غریب اُسے یکساں عزت ملتی تھی۔

انسانیت کے عظیم درجے پر فائز تھے، وہ ایک ہی تھے اُن جیسا دوسرا نہیں دیکھا آج تک۔ میرا یہ شعر میرے جذبات کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔

عجیب شخص تھا، انوکھی ادا سے چھوڑ گیا
ضمیر سب کا جگا کر وہ منہ کو موڑ گیا

ہماری خوش نصیبی کہ ہم اُن کے عہد میں رہے، اور اُن سے علم حاصل کیا، اُن کی وفات سے معاشرے میں ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔ میں اُن کے خانوادے کو دلی تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اُنھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

Presented by: https://jafrilibrary.com

سیّد محسن نذر (کراچی)

(نائب صدر: مرکزی تنظیم عزاداری پاکستان)
(رکن مرکزی کمیٹی پاکستان شیعہ ڈیموکریٹک الائنس)

ڈاکٹر ایسے کہ انسانی اجسام کو چھوڑ کر تاریخی بلند و بالا چوٹیوں کے سینوں کو چاک کیا اور مومنین کے قلوب و اذہان کی صحت مند نشونما کے لئے ایسے ایسے پوشیدہ رازوں کی پردہ کشائی فرمائی کہ انسانی عقل کو حیران کر دیا عقیدتی صاحب فراش اذہان کے مکمل علاج کے ذریعے علمی و عقیدتی بالیدگی سے روشناس کرایا اور ایک عقیدت و انسانیت سے لبریز انسان تراش کر فرش عزا کی زینت بنایا. محقق ایسے کہ سمندر کی پاتال میں غوطہ زن ہو کر علمی، دینی، مذہبی، عقیدتی ایسے ایسے پوشیدہ راز مومنین کے سامنے افشاں کیئے کہ انسان

کی عقل میں ایک بھونچال پیدا کر دیا مومنین کے عقل و شعور کو اس انداز سے جھنجھوڑا کہ مردہ ضمیروں کو باضمیر زندگی عطا کر دی درباری تاریخ اسلام کے پیرہن کو اس انداز سے چاک کیا کہ تمام حقیقتیں آشکار کر دیں تاریخ اسلام کے تمام تونگروں کو ان کے اصل مقام پر پہنچا دیا سب کے حقیقی کردار مومنین کے سامنے بیان کر دیئے اپنے انداز گفتگو سے مومنین کو حیدر حیدر حیدر کے نعرے بلند کرنے پر مجبور کر دیا. اسکالر ایسے کہ ہمہ وقت علم کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کوشاں رہتے اپنی زندگی کے تمام لمحات کتابوں کے انبار تلے گزارے کائنات کے ہر شعبہ زندگی کا جتنا بھی علم سینے اور دماغ میں محصور تھا اس میں اضافے کے لئے شب و روز لکھنے پڑھنے میں بسر کر دی. اشرف المخلوق ھونے کی وجہ سے انسان کو دماغی و جسمانی تکان کا احساس ضرور ھوتا ھے مگر نہ جانے کن خصوصیات کے حامل شخص تھے کہ تھکاوٹ نام کا لفظ زندگی کی لغت میں موجود ہی نہ تھا بس کام کام اور کام. شاعر ایسے کہ شعر سن کر سامع کو محسوس ھو کہ حقیقت میں یہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ھے. انداز بیاں، لفظوں کا چناو، نشست و برخاست، منظر کشی، سہل و دیدہ زیب اردو، منفرد لب ولہجہ میں اشعار کی تزئین و آرائش سامع کو اپنے حصار میں لے کر اپنا گرویدہ بنا لے. اگر دنیا ادب کے شعراء کی بات کریں تو میر انیس کی ادبی زندگی اور شاعرانہ مزاج پر کتابوں کے اوراق رنگین کر دیئے میر انیس، مرزا دبیر کو اپنے حافظہ میں مقید کر لیا ماضی قریب کے شعرا کی ادبی و شاعرانہ زندگی و طرز کلام پر متعدد کتب شائع کر دیں جو کہ ادب کا اثاثہ قرار پائیں. مصنف ایسے کہ اپنی تحقیق کے ذریعے کربلا کے کسی بھی گوشے کو تشنہ نہیں رہنے دیا اپنی کوششوں و کاوشوں سے حاصل ھونے والی تمام تحقیقی نتیجوں کو قرطاس کے سپرد کر کے ایک تاریخ رقم کر دی. اہلبیت علیہم السلام اور ان کے پیر کاروں، دین محمدی (ص) کے مضبوط ستونوں کی زندگی کا حقیقی احوال تاریخ کے حوالے کر دیا کربلا کے تمام پوشیدہ پہلوؤں کو مومنین کے اذہان میں منتقل کر دیا اور عقیدتی ضو باریوں سے انسانی عقل کو منور کر دیا. خطیب ایسے کہ عالم اسلام کے تمام تاریخی پردوں کو آشکار کر کے مومنین کے قلوب و اذہان پر علی علیہ السلام کی حکمرانی قائم کر دی. اپنے سامع کے روبرو تاریخ کے صفحات انتہائی آسان لفظوں میں بیان فرماتے کہ سامع اپنی اعصابی قید میں مقید ھو جاتا. انداز گفتگو اتنا پر کشش اور سادہ کہ عام فہم انسان بھی نہایت آسانی سے سمجھ جاتا دوران تقریر اسلامی تاریخ کے ان تاریک پہلوؤں پر لب کشائی فرماتے کہ سامع کی سماعتیں ارتعاش کا شکار ھو جاتیں. انسان ایسے کہ عقیدے پر کبھی سودے بازی نہیں کی ہمیشہ منبر سے حق و سچ بیان فرمایا تمام زندگی اہلبیت علیہم السلام کی حقانیت بیان کرنے میں گزار دی مذہب حقہ کی ترویج کے پیش نگاہ اپنی تمام تقاریر کو کتابی شکل میں شائع کر دیا تا کہ نوجوان خطباء و ذاکرین اس سے استفادہ حاصل کر سکیں. آہ! جناب ڈاکٹر علامہ سید ضمیر اختر نقوی کی منتقلی سے ادبی، علمی، تاریخی، عقیدتی منبر سوگوار ھو گیا.

اقبال حیدر عمّو (چیئرمین پاکستان شیعہ ڈیموکریٹک الائنس)

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب سے میرے دیرینہ تعلقات تین نسلوں پر محیط تھے۔ جس کا انھوں نے بارہا مجالس میں بھی ذکر کیا ہے۔ ایک عظیم عالم، مشفق انسان، تاریخ پر مکمل عبور، ایک ایسے خطیب کہ جب واقعاتِ کربلا کا ذکر کریں تو عِلم کے دریا بہا دیں اور تمام واقعات کو اِس خوبی سے بیان کرتے تھے کہ سامعین سحر میں مبتلا ہو جائیں۔ زبان میں چاشنی اور بیان میں روانی بہت کم خطیبوں کے حصے میں آتی ہے۔ غرض ہر میدان میں مردِ میدان اور شیعہ قوم کے سچّے مبلّغ، اپنی تقریروں اور تحریروں سے مومنین کے دِلوں کو منور کیا اور تادمِ آخر شیعہ قوم کے لیئے قلعہ کی حیثیت سے مضبوط فصیل بنے رہے۔ اُن کے ہوتے کسی کی جرأت نہیں تھی کہ اُن کی دلیل کو رد کر دے۔ میں خود ذاتی طور سے اُن کے انتقالِ پُرملال پر انتہائی رنجیدہ ہوں اور خود کو تنہا محسوس کر رہا ہوں۔ اور پاکستان شیعہ ڈیموکریٹک الائنس کی جانب سے تمام لواحقین اور مومنین کو تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اُنھیں جوارِ معصومین میں جگہ عنایت فرمائیں۔ (آمین)

علّامہ سیّد ظلِ ثقلین زیدی:

ہم اپنے وقت سے آگے کی بات کرتے ہیں
سمجھ میں دنیا کے صدیوں کے بعد آئیں گے

میں علامہ ضمیر اختر نقوی سے اپنے بچپن میں پہلی بار ملا اوران کی طلسماتی شخصیت کے اثر سے زندگی بھر نہ نکل سکا، میرے والد حجۃ الاسلام ظلِ صادق زیدی کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے، لیکن یہ احسان کہ

اُنہوں نے علامہ ضمیر اختر نقوی سے ملایا اور ان کے ساتھ سیکھنے اورعلم وادب کے ماحول میں پروان چڑھنے کا موقع دیا ناقابلِ فراموش ہے۔ ۱۹۹۰ء کے اوائل سے ۲۰۲۰ء تک علامہ ضمیر اختر نقوی کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ ایک ایک پل میں بھول نہیں سکتا، اگر ساری یادیں لکھوں تو کئی ضخیم کتابیں شائع ہو سکتی ہیں۔ علامہ صاحب اچانک چلے گئے یقین نہیں آتا۔ لیکن اب اُن کو جانا ہی تھا، بہت تھک گئے تھے، غیروں کی سازشوں نے اور اپنوں کی منافقت نے اُن کو بہت تھکا دیا تھا۔ لیکن مولا نے اُن کو ہر محاذ پر سرخرو کیا۔ پچھلی بار جب دل میں تکلیف کے سبب ہسپتال گئے تھے تو ہم سب رات دن وہاں رہے اور اُن کو ساتھ لے کر گھر آئے۔ ۱۳ ستمبر ۲۰۲۰ء کو جب صبح پونے آٹھ بجے کال آئی کہ جلدی ہسپتال آؤ، علامہ کو لے کر آغا خان ہاسپٹل جا رہے ہیں تو میں اور ظلِ رضا کس طرح فوراً آغا خان پہنچے ناقابلِ بیان ہے اور جب یہ اطلاع ملی کہ علامہ صاحب ہم کو چھوڑ کر چلے گئے تو ایسا لگا کہ پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو، آنسو تو اب تک نہیں رُک سکے، نہ اب تک یقین آیا، لگتا ہے ابھی آواز دیں گے۔

اچانک موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔ علامہ کو ملنے والا تحفہ لاکھوں، کروڑوں مداحوں اور چاہنے والوں کے دل کو بے قرار کر گیا۔ پاکستان میں تاریخ تشیع کا سب سے بڑا جنازہ علامہ ضمیر اختر نقوی کا تھا کہ امام بارگاہ شہدائے کربلا سے لے کر شہید فاؤنڈیشن امروہہ گراؤنڈ، JDC کے دروازے تک اور اُدھر شاہراہِ پاکستان تک صفیں بنی ہوئی تھیں، لاکھوں لوگ جو رو رہے تھے اور غمزدہ تھے، میں نے سوئم کی مجلس پڑھتے ہوئے کہا کہ جنازے تو بہت دیکھے لیکن حیدر حیدر کی صداؤں کے سائے میں پہلا جنازہ دیکھا۔ اب لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اُنہوں نے کیا کھو دیا۔ ایسا عظیم عالم فی البدیہہ خطابت کا بادشاہ ادیب، دانشور اور سب سے بڑھ کر محبت کرنے والا انسان جس نے پروپیگنڈوں کے باوجود لاکھوں لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ علّامہ صاحب کیا تھے کیا کام کر گئے یہ سب سمجھنے کے لئے صدیاں درکار ہیں۔ دو برس قبل یہ شعر میں نے قبلہ کے لیے کہا تھا اور اُن کو بہت پسند آیا تھا۔

ہم اپنے وقت سے آگے کی بات کرتے ہیں
سمجھ میں دنیا کے صدیوں کے بعد آئیں گے

علامہ ضمیر اختر نقوی وہ عالم ہیں جنہوں نے منبر پر سب سے زیادہ عقیدہ رجعت پڑھا اور مجھ کو یقین ہے ہم پھر سے لشکرِ امام میں علامہ صاحب سے ملیں گے اور اُن کی مدحِ علیؑ و مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں بہترین نکتے پھر سے سنیں گے اور ہر طرف سے آواز آئے گی، حیدر، حیدر، حیدر، حیدر۔

سیّد عباس علی زیدی رسولپوری ہندی:

تم کیا گئے کہ شہر کا موسم بدل گیا

بہت دیر تک یہی سوچتا رہا لکھوں کیا ضبطِ تحریر میں کیا لاؤں، خبر غم سنتے ہی مانو رنگ وپے میں خون ہی نہ رہا ہو تحریر کے وقت قلم میں روشنائی نہ رہی ہو قلم چلتا بھی تو کیسے چلتا کیونکہ جانے والا تو خود قلم توڑ گیا ہر اعتبار سے اور ہمہ جہت تحقیق وتحریر کرنے والا گیا اب تو برسوں قلم انھیں کی تحریروں پر تحقیق کریں گے ذہن میں بس یہی شعر گردش کر رہا تھا۔

مجھ پہ تحقیق میرے بعد کرے گی دنیا
مجھ کو سمجھیں گے میرے بعد زمانے والے

علّامہ صاحب کا تحریری ذوق ہی تھا کہ جس کی وجہ سے مجھ سے ان کی ملاقات کا راستہ ہموار ہوا۔ یوں تو بہت سے خطباوذاکرین سے ملاقاتیں رہتی ہیں لیکن لکھنؤ کی اس ایک ملاقات نے جو برادر بزرگوار سلطانِ خطابت علامہ سیّد حیدر مہدی زیدی صاحب قبلہ کے توسط سے ہوئی اور موصوف کی قربت برادر بزرگوار سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب سے قربت کی دو بنیادی وجہیں ایک تو علامہ صاحب کا لکھنؤ سے حد درجہ محبت جب کبھی بھی علامہ صاحب سے کال یا ویڈیو کال کی ذریعہ گفتگو ہوتی تو اپنے مخصوص انداز میں معلوم کرتے تھے۔ عباس علی بیٹا آپ نے چھولا پوری کھائی کہ نہیں کھائی اور میر انیسؔ ومرزا دبیرؔ کی قبر پا جانے کا ہر مرتبہ معلوم کرتے اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

تاکید فرماتے کہ قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے ضرور جایا کرو۔

لکھنؤ کی کچھ خاص جگہیں یاد کرتے تھے کہ جہاں پر ان کا بچپن گزرا تھا۔ بڑا امام باڑہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام وغیرہ اور وہ ان جگہوں کو بھول بھی کیسے سکتے تھے کہ جن کو انھوں نے کعبہ عشق کہا تھا۔

دوسری وجہ کتابوں کی چاہت جب علامہ صاحب کو لکھنؤ سے کتاب کی ضرورت ہوئی تو مرحوم نے مجھے یاد کیا اور فرمایا کے مجھ الکواکب الدریا چاہیے اور علامہ صاحب ہی نے بتایا کہ غفران مآب کے کتب خانہ سے حاصل ہوسکتی ہے اور مولانا اسیف جائسی صاحب جو اس وقت کتب خانہ کے انچارج تھے اور ان سے وڈیو کیسٹ کی شکل میں حاصل کی جو مولانا علی عباس صاحب (عباس بک ایجنسی) کے ذریعہ بھیجی۔ کن کن یادوں کا ذکر کروں یہ تو وہ باتیں تھی کہ جو قلم کی رفتار سے قرطاس کے سینہ پر تحریر میں ہوگئیں اور نہ جانے کتنی ایسی یادیں ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں جبکہ موصوف کی شخصیت کے مرنے پر صدمہ ہوتا ہے اور شخصیت ساز کے سانحہ ارتحال پر ناقابلِ فراموش صدمہ ہوتا ہے اور واقعاً میں اس صدمہ کو فراموش نہیں کرسکتا۔

دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم امام منظوم کربلا کے صدقے میں علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب کو جوارِ اعلیٰ عیلین میں جگہ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر مرزا شفیق حسین شفق:

۱۴ر ستمبر ۲۰۲۰ء، رڈیلی صحافت، لکھنؤ

لکھنؤ: آل انڈیا خیبر شکن اکادمی کے چیرمین سلطان الذاکرین مولانا ڈاکٹر مرزا شفیق حسین شفق نے معروف اسلامی اسکالر علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے انتقال پُر ملال اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی

شخصیت کے مختلف الجاد و جہات ہیں وہ بیک وقت ادیب و خطیب اور محقق و مبصر اور بلند پایہ نقاد صحافی تھے وہ مصلح قوم بھی تھے اور ولایت اور عزاداری کے دشمنوں کو انھوں نے جس طرح مدلل اور مُسکت دندان شکن جواب دیئے ہیں اس طرح جواب دینے والا اب کوئی دوسرا نہیں رہا۔ وہ مومنین کے درمیان بے حد مقبول تھے معاصر عہد میں جس لب ولہجہ کے خطیب تھے اس لب ولہجہ کے خطیب تھے۔ اس لب ولہجہ کا کوئی دوسرا خطیب نہیں ہے۔ ان کی آواز ساؤنڈ پروف تھی وہ جب بولتے تھے تو دل چاہتا تھا وہ بولتے ہی رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ ڈاکٹر مرزا شفیق حسین شفق نے مزید کہا کہ رثائی ادب کے وہ ممتاز ناقدین میں تھے اور خود بھی انھوں نے رثائی ادب پر بہت کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کی کتاب ''میرانیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے یا اردو غزل میں کربلا بھی ان کی اس موضوع پر لکھی گئی چند بنیادی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، ڈاکٹر مرزا شفیق حسین شفق نے علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے چھوٹے بھائی سیّد تنویر اختر نقوی اور ان کے خانوادے کے دیگر افراد کو تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ علامہ کی رحلت صرف ان کے خانوادے کیلئے نہیں بلکہ پوری ملّت کیلئے صدمۂ عظیم ہے۔

امرتسر: ڈاکٹر ریحان حسن شعبہ اردو وفارسی گورونانک دیویونیورسٹی امرتسر پنجاب نے علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے سانحہ ارتحال پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:-

موت اُس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

دنیائے ادب میں ایسے خوش قسمت ادیب اور ناقدین کم ہوئے ہیں کہ جنھیں ان کی زندگی میں ہی ان کی گراں قدر تصنیفات وتالیفات کے سبب سراہا گیا ہو انھیں ادیبوں میں ضمیر اختر نقوی بھی تھے کہ جن کی علمی و ادبی خدمات کو ان کی حیات میں ہی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور سراہا بھی گیا۔ وہ شہر کراچی میں ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ عہدِ حاضر کے روشن فکر اور حق گو انسان تھے۔ بالخصوص رثائی ادب کی تاریخ وتحقیق میں انھوں نے خاندان میرانیسؔ کے نامور شعراء میرانیسؔ کی شاعری میں رنگوں گا استعمال تاریخ مرثیہ نگاری، اُردو مرثیہ پاکستان میں اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کے ذریعے جونئی راہیں معین کی ہیں وہ اہلِ ادب کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ علمی، و دینی اور ادبی خدمات کے علاوہ انھوں نے خطابت کی کرنیں بھی خوب بکھیریں۔ انھوں نے القلم جیسے علمی، ادبی اور تحقیقی رسالے کے ذریعے دنیائے صحافت میں جو بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے وہ بھی قابل قدر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے جو تحقیقی، علمی اور تصنیفی نقوش چھوڑے ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت تسلیم کرانے پر مجبور کریں گے۔ ایسے ادیب خطیب، دانشور اور صاحبِ قلم سے محرومی علمی و ادبی حلقے کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے خدا سے دعا ہے کہ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ (آمین)

سیّد عارف رضا زیدی (انچولی، کراچی)

ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا!

ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا، کاش تیرہ ستمبر کی وہ بھیانک صبح نہ آتی کہ جو ہم سے ہمارے ضمیر بھائی کو دوسرے عالم لے گئی۔۔ضمیر بھائی کی رخصت کو انتقال لکھوں یا ارتحال دونوں صورتوں میں صرف ملال ہی ملال ہے۔۔۔۔ یار کوئی حد ہوتی ہے 40 سالہ رفاقت و تعلق تھا میرا ان سے۔۔میرے والد سامع تھے انکے اور اب میرے بچے مداح ضمیر اختر تھے۔۔ضمیر بھائی نے ۱۹۸۰ میں انجمن رضائے حسینی کی پہلی مجلس پڑھی۔۔پھر الوداعی عشرہ اور پھر یومِ زینب کی بنیاد رکھی۔۔آخری مجلس بھی یوم زینب کی ہی پڑھی۔۔میں نے ضمیر بھائی کے ساتھ کافی وقت گذارا اور انکی نجی۔۔سماجی۔۔ادبی اور مجلسی دنیا کو بہت قریب سے دیکھا۔۔وہ ایک باکمال منتظم۔کتاب دوست اور عزادار تھے۔۔وہ کیا تھے اور کیا نہ تھے اس پر مجھے کوئی بحث نہیں کرنی مگر اتنا ضرور کہنا ہے کہ ضمیر بھائی آپ تو موت کا ذکر نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ زندگی کی بات کرو۔۔مگر یہ کیا کیا آپ نے کہ اتنی جلدی خلد آشیانی ہو گئے۔۔میں ضمیر بھائی کی زندگی پر مضمون لکھوں گا مگر اس وقت صرف تعزیتی کلمات۔۔اور وہ یہ کہ مکتبہ درس وتدریس کا استاد۔عزائی خدمت گار۔ملنسار اور شفیق انسان۔۔تہذیبِ لکھنؤ کی مجسم تصویر اس دنیا سے چلی گئی۔۔اب شاید ہمارے پاس کوئی ایسا تمغہ نہیں کہ جسے سجا کر ہم غرور سے کہہ سکیں کہ کوئی بات نہیں ابھی ضمیر بھائی سے پوچھ کر بتاتے ہیں۔۔۔خداوند محمد وآل محمد قبلہ گاہی کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔۔۔زندگی نے وفا کی تو مکمل یاد داشت کچھ دن بعد پیش کروں گا۔

سیّد ظفر عباس عابدی (عرفان)

صدر بزمِ ولائے اہلِ بیتؑ (لندن)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ سب سے پہلے تو آپ کی خدمت میں اربعین امام حسین علیہ السلام کے حوالے سے تعزیت پیش کرتا ہوں۔اللہ جانتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کے ایک عظیم ذاکر علامہ ضمیر اختر نقوی اعلی اللہ مقامہٗ کی شکل میں ہم نے جس گرانقدر ہستی کو کھو دیا اس کا قلق مدتوں باقی رہے گا۔ علامہ طالب جوہری رحمہ اللہ علیہ سے جدائی کے بعد بلاشبہ یہ اس برس کا سب سے عظیم صدمہ ہے۔خدا سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین جن میں بلاشبہ عزادارانِ امام حسین علیہ السلام کی ایک بے شمار تعداد شامل ہے، کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ہم بحیثیت ارکانِ بزمِ ولائے اہلِ بیت علیہم السلام (لندن) آپ سب کو دلی تعزیت پیش کرتے ہیں اور علامہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہم ان کے ہی ایک مصرعہ سے اپنے سالانہ منعقد ہونے والے مسالمہ کو زینت دے رہے ہیں اور اللہ سے یہ دعا ہے کہ اس محفل کا ثواب علامہ صاحب کی روح کو پہنچے۔ہمیں یقین ہے کہ علامہ کی کاوشوں اور محنتوں کے سبب ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔دعاؤں کا طلبگار۔

سید شبیر علی زیدی۔۔۔برسلز بلجیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

ایک اور ستارہ ڈوب گیا

میری پہلی ملاقات محترم سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب سے ۱۹۶۷ء میں میرے خالہ زاد بھائی مولانا عقیل ترابی صاحب کے فلیٹ فروبہ چیمبر میں ہوئی جب وہ انڈیا سے کراچی آئے۔عقیل بھائی نے کئی مقامات پر ان کا تعارف کرایا۔عقیل بھائی نے انہیں کتابیں بھی دیں۔

ہمارے خالو علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے انتقال (۱۸ دسمبر ۱۹۹۵) کے بعد بھائی نصیر ترابی نے انہیں ترابی صاحب کی تقاریر کو کتابی شکل میں لانے کی فرمائش کی۔علّامہ ضمیر اختر نقوی کی مرتب کردہ یہ ۳ جلدیں مجالس ترابی کے نام سے محفوظ بک ڈپو نے چھاپی جو عوام میں مقبول ہوئی اور اس طرح ان کا نام عوام میں مشہور ہوا۔

۱۹۸۰ء میں وہ لندن اور بلجیم آئے اور میرے مہمان ہوئے۔جب بھی کراچی آتا ان سے ملاقات ہوتی۔اس میں کوئی شک نہیں اُنہوں نے بہت محنت کی اور مطالعہ جاری رکھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اچھا حافظہ دیا۔جس کا انہوں نے اپنی تقاریر میں استعمال کیا۔خاص طور پر میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ اور جوش صاحب کے اشعار پڑھتے اکثر فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔میری خوش قسمتی ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے درجات کو بلند کرئے۔منبر کی ایک رونق تھی جو چلی گئی۔ہر ایک نے جانا ہے آج وہ کل ہماری باری ہے۔(والسلام)

سیّد محمد سبزواری

(چیرمین العصر ٹرسٹ لندن، نجف الاشرف، کربلا المعلیٰ)

تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من مات علیٰ حب آلِ محمد مات شہیدا۔نہایت ہی افسوس اور غم واندوہ ہے سانحہ وفات حسرت آیات علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی، جنہوں نے اپنی پوری زندگی احیائے علوم محمد و آل محمد میں گذاری اور اپنے خاص انداز میں علوم قرآن، حدیث واہل بیتؑ سے دنیا کو فیضیاب کیا، داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہمیشہ لبیک یا حسینؑ کی صدائیں بلند کرتا ہوا اس دنیا سے تو رخصت ہو گیا مگر رہتی دنیا تک مرحوم کی علمی و تحقیقی صلاحیتوں سے بھرپور تصنیفات ان کو زندہ و جاوید رکھیں گی۔ خداوند عالم مرحوم کو ان کے اجداد طیب وطاہرین حضرات کے جوار میں جگہ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین

خادم امام عصرعج۔۔سیّد محمد سبزواری

چیرمین العصر ٹرسٹ لندن

نجف الاشرف/کربلا المعلی

شبیر حسین بنگش لندن:

کراچی میں لکھنؤ ختم ہوا

اب اس لہجے کو اور ان الفاظ کو کان ترسینگے" تمام تعریفیں اللہ کیلیے اور درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کیلیے"۔اناللہ و انا الیہ راجعون رضا بقضائی و تسلیم لی امری بہت افسوس ہوا آج ایک محقق اور مدبر ایک مفکر اور ایک تاریخ داں دنیا سے چلا گیا یہ خلا کبھی پُر نہیں ہوسکتا پروردگار ان کی مغفرت فرما کر آئمہ اطہار کی خاص بزم میں بلند سے بلند تر مقام عطاء فرمائیں اور ہمیں جو سارے لواحقین یتیم ہو چکے ہیں انکے جانے کے بعد ہمیں اس ناقابل برداشت سانحے کو برداشت کرنے توفیق عطاء کریں

اظہر عباس (آرٹسٹ، فوٹو جرنلسٹ، لندن)

خدائے واحد کی لامتناہی نعمتوں میں بعد از زندگی اولاد کی صورت دیکھنا ہے، اُس وقت انسان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا کہ جب وہ اپنے نامعلوم خواب کی تکمیل دیکھتا ہے۔ایک باپ نے جس چاہ سے اولاد کا نام رکھا تھا، نہیں معلوم تھا کہ یہ نام اتنا صادق ثابت ہوگا کہ جس نے نہ صرف اپنے خاندان بلکہ اُمتِ مسلمہ کے مانند ضمیر کو روشن کیا۔علم کی تشہیر کرنے والا فقیر، انسانیت کو بیدار کرنے والا ضمیر آج ہمارے درمیان علم کا تا حیات روشن چراغ جلا کر چلا گیا، افسوس کہ ہم نے بحیثیت قوم اُس کی قدر نہیں کی۔ خدا درجات بلند فرمائے (آمین)

عارف حسین میرؔ:

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی مرحوم تمام مسلمانوں کے لئے ایک بڑے اُستاد اور عالم تھے ان کے لکھے جانے والے نوحے آج بھی دنیا میں پڑھے جاتے ہیں اور میں بھی پڑھتا ہوں جس میں ''جنگل میں بھرے گھر کو لُٹا آئی ہے زینبؑ'' یہ نوحہ تمام عالم کے عزادارنِ حسینؑ کے دِلوں میں اک خاص مقام رکھتا ہے۔

خدا ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین

ظفر الحسن جلال پوری

(آل انڈیا، شیعہ سماج دہلی)

لکھنؤ (انقلاب نیوز) ''شیعہ اسلامی اسکالر علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے انتقال پر آل انڈیا شیعہ سماج دہلی کے جنرل سکریٹری مولانا ظفر الحسن جلالپوری نے اظہارِ تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے انتقال سے اہل تشیع کا بہت بڑا علمی خسارہ ہوا ہے۔انھوں نے کہا کہ علّامہ پاکستان میں رہتے ضرور تھے مگر باتیں ہندوستان کی کرتے تھے لکھنؤ سے ان کا خاص تعلق اور لگاؤ تھا۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی کی پیدائش ہندو پاک تقسیم سے قبل ۱۹۴۴ء میں شہرِ ادب لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لکھنؤ کی مٹی سے بہت محبت کرتے تھے۔مولانا ظفر الحسن نے کہا کہ علّامہ ضمیر اختر نقوی شیعہ اسلامی اسکالر کی حیثیت سے ان کا معیار بہت بلند ہے اور ان کی تحقیق بہت پایہ کی تھی مرحوم نے مختلف شعبۂ حیات میں مختلف موضوعات پر کم و بیش ۳۰۰ کتابیں تحریر کیں۔ان کے انتقال سے جو خسارہ ہوا اس کا پُر ہونا ناممکن ہے۔

سیّد معراج علی زیدی

(امام جمعہ و جماعت، موشی تنزانیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے زمانہ طالب علمی میں لکھنؤ کی غار والی کربلا (سامرہ) میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو شبیہ روضہ عسکرین سے مجلس کی آواز آئی۔آواز ناآشنا تھی مگر لب لہجہ میں وہ کشش

کہ قدم خود بخود اس طرف بڑھتے چلے گئے۔ دیکھا منبر پر نہایت سادہ مزاج شخصیت جلوہ افروز ہے جسکی وضع قطع خالص لکھنوی زبان کی سلاست کے ساتھ بڑی باتوں کو عام فہم زبان میں بیان کرنے کا ہنر، لہجہ میں ولایت اہلبیت علیہم السلام کی وہ کھنک کہ گفتگو دل میں اترتی چلی گئی۔ استفسار پر علم ہوا کہ جناب علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب ہیں اسکے بعد کئی مرتبہ لکھنؤ میں انکی مجالس میں شرکت کرنے کا شرف ملا لکھنؤ ان کا آنا ہوتا رہتا تھا قیام بھلے ہی کراچی میں تھا مگر لکھنویت ان کے اندر کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔ تبلیغ کے سلسلے میں ہمارے تنزانیہ (افریقہ) آنے کے بعد پھر ملاقات تو نہ ہو سکی مگر انکی مجالس، دینی اور ادبی خدمات یاد کو برابر تازہ کیے رہیں۔ ماہ رمضان کی خصوصی ٹیلیویژن ٹرانسمیشن میں انہوں نے جس طرح اپنے موقف کو بیباکانہ انداز میں پیش کیا وہ منظر برسوں تک لوگوں کے ذہنوں میں تازہ رہے گا۔ افسوس اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر انکے آثار انکے نام کو تادیر زندہ رکھیں گے۔ محبانِ آلِ محمدؐ کو موت ویسے بھی نہیں آتی ہے پروردگار جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے۔

ہم انکے لواحقین اور معتقدین کی خدمت میں تسلیت وتعزیت کے ساتھ علامہ مرحوم کے بلندئ درجات کے لئے دعا گو ہیں

والسلام: سیّد معراج علی زیدی

امام جمعہ و جماعت موشی، تنزانیہ

علامہ سیّد قاصد مہدی:

تعزیتی پیغامات
علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

آہ علامہ ضمیر اختر نقوی

موسم حبس میں گھٹن اور بڑھ گئی

اب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے کوئی مخلص نظر نہیں آ رہا

قبلہ علامہ ضمیر اختر نقوی آپ ہمارا مان ہمارا غرور ہمارا فخر تھے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے آپکا اور آپکے علم کا ثانی نہ کوئی تھا نہ ہے اور دور دور تک نظر بھی نہیں آ رہا

یقیناً علمِ ضمیر اور عہدِ ضمیر ہمیشہ زندہ رہے گا

ذاکرِ شام غریباں، ذاکرِ اُم المصائب

علاّمہ سید قاصد مہدی

منظر نقوی اور فیملی:

سلام اے خانوادہ ضمیر اختر! الفاظ نہیں مل رہے جنکا سہارا لیکر میں آپ سب سے تعزیت کر سکوں۔ ضمیر بھائی سے میری بہت اچھی یادیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی۔ قوم کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ وہ ہر چاہنے والے کے دل میں ہمیشہ رہیں گے۔ مولا آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمایں۔ مرحوم جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام پائیں۔ آمین

سیّد جبران علی شاہ (جمّی شاہ) لندن۔ برطانیہ

علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی علم کا سمندر اور بلند ترین زینہ تھے، لیکن افسوس یہ بے ادب اور بدنصیب قوم اُنکو سمجھ نہ پائی اور اُن سے فیض یاب نہ ہو پائی، لیکن میں مطمئن ہوں اب وہ اپنے اصل مقام پر ہیں جہاں معصومین علیہم السلام نے یقیناً اُنہیں اپنے ہاتھوں سے انعامات سے نوازہ ہوگا۔

علی یوسف:

ضمیر اختر نقوی صاحب کی پہلی مجلس میں نے 1998 میں کراچی میں سنی تھی اور انکے انداز ولب و لہجے کا گرویدا ہو گیا تھا بعدازاں آپ نے گھر پر بھی مجلسیں پڑھی اور اور ہم تینوں بھائی آپکی خطابت کے قائل ہو گئے تھے۔ ضمیر اختر نقوی کی میری نظر میں سب سے بڑی خوبی انکی تصانیف میں تحقیقی عنصر کا ہونا ہے، آپ تحقیق پر تنقید تو کر سکتے ہیں مگر انکے محقق ہونے سے انکاری نہیں ہو سکتے۔ جس کی واضح مثال ان کی کتاب، میر انیس بحیثیت ماہر حیوانات، میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال اور دبستان ناسخ جیسی کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو کے تحقیقی کام کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس دور میں جب اردو زبان پر کام معاشرتی ترجیح نہیں رہی ضمیر اختر نقوی آپکو اپنی تحریروں کے ذریعے لکھنؤ کی سیر کراتے نظر آتے ہیں تو کبھی ان شعراء کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے نوجوان نسل آشنا نہیں۔ آپ کی مذہبی تحریروں میں ان موضوعات و شخصیات پر کام ہے جن پر اردو زبان میں کم تصانیف ہیں جیسے سوانح حیات حضرت جعفر طیارؑ، حضرت اُم البنینؑ کی زندگی پر اور حضرت علی اکبرؑ۔ کسی بھی شخص پر تنقید کرنے کے لیے اس کے کام کا اس قابل ہونا ضروری ہوتا ہے اس پر بات کی جائے اور ضمیر اختر نقوی صاحب نے تحقیقی میدان میں کام کر کے لوگوں کو دعوت دی ہے کے وہ بھی آئیں اور بہتر کام پیش کریں اور ملک وقوم کو تحقیق وفکر میں آگے لے کر چلیں۔

سیّد مختار حسین رضوی (شلّی) (مانچسٹر یوکے)

سلام ضمیر اختر نقوی لکھنوی کی یادیں ہمیشہ ہمارے دلوں میں کتابوں اور تقریروں کی صورت میں رہیں گی ایک منفرد شخصیت بیباک تقریر کا انداز علم اور زکر اہلبیت میں زندگی گزاردی علمی گھرانے سے تعلق تھا۔

کمیل سجاد میر:

میں انتہائی افسوس کے ساتھ علّامہ ضمیر اختر کے اہل وعیال کو ان کی وفات پر تعزیت پیش کرتا ہوں۔

تمام اہلِ تشیع کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان۔آپ ایک نہایت اعلیٰ پائے کے عاشق اہل بیتؑ تھے۔جن کی بیش قیمت کتابوں سے بہت سے مومنین فیض یاب ہوئے۔

میری خوش نصیبی کہ شکاگو کے ایک امام بارگاہ میں علّامہ ضمیر اختر صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جب انھیں یہ پتہ چلا میرے یہاں کچھ عرصہ میں میں ولادت متوقع ہے تو انھوں نے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ میرے ہونے والے بچے کے لئے تحائف بھی دیئے۔عموماً ذاکرین آتے ہیں پڑھتے ہیں اور چلتے جاتے ہیں مگر جو علم وفہم اور عاجزی کی مثال علّامہ صاحب نے قائم کی اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔جب انھوں نے شکاگو کے امام بارگاہ میں مجلس پڑھی تو ایک ایسا ماحول بن گیا کہ ہر طرف سے علیؑ علیؑ کی صدائیں بلند ہوئیں۔آپ ایک سچے عاشق اہلِ بیتؑ تھے جنھوں نے اپنی ہر تقریر میں مومنین کو باور کروایا کہ ہم اہلِ بیتؑ کے ماننے والے ہیں اور ہمیں انہی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔خداوندا انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔(آمین)

اسد عباس نقوی (شکارپوری)

چراغ سے آفتاب تک کا سفر

ضمیر بے ضمیروں کے ضمیروں کو جگاتے رہے
عجیب شخص تھے مُردوں کو اُٹھاتے رہے
ہوں اپنے مقصر یا اوروں کے ناصبی
رہ کے اکیلے حق پہ سب سے ٹکراتے رہے
ہو ضمیر زندہ تو عزت بھی تیری، دولت بھی تیری
مر کر بھی ضمیر سب کو یہی سمجھاتے رہے

(۱۹۴۴ء سے ۲۰۲۰ءتک)، ۱۹۴۴ء میں سید ظہیر حسن نقوی کے ہاں ایک چراغ روشن ہوا یہ چراغ عشق ومودت محمد وآلِ محمد کا چراغ تھا اور یہ چراغ وقت کے ساتھ ساتھ آفتاب بن گیا۔اور 13-09-2020 کو یہ آفتاب کربلا میں غروب ہوگیا۔لیکن اس آفتاب نے اپنی ساری زندگی محمد و آلِ محمد کی خدمت میں گزار دی میں ایک نہایت چھوٹی سی شخصیت ہوں اور مجھے فخر یہ ہے کہ میں نے زندگی بھر علامہ کی جوتیاں اُٹھانے کا کام کیا ہے۔دنیا کے بڑے بڑے مفکروں دانشوروں، ادیبوں، ماہرین تعلیمات،شعراء، اسکالرز نے علّامہ صاحب کے لیے بہت کچھ لکھا ہے۔اگر ان کے نام ہی لکھوں تو کتاب کی صورت اختیار کر جائے،اس صدمے میں علّامہ صاحب جیسی شخصیت نہیں ملتی۔

علّامہ صاحب کی مجالس کا آغاز توحید سے شروع ہوتا ہے اور توحید پر ختم ہوتا ہے،علامہ صاحب کا یہ خاصہ رہا ہے کہ جن جن نے محمد وآل محمد کے لیے جو تحریریں لکھیں اور وہ چھپ نہ سکیں تو علامہ صاحب نے وہ کام مکمل کیا اور ان کو خراج پیش کیا۔میری چار نسلیں علّامہ صاحب کو سنتی آرہی ہیں،میرے والد، میرے بہن بھائی، ان کی اولاد اور ان اولادوں کی اولاد بھی سنتی آرہی ہے مجھے یہ فخر ہے کہ یہ جو نعرہ دنیا میں گونج رہا ہے حیدر حیدر اور علی حق علی حق یہ دونوں نعرے میں نے پہلی مرتبہ علّامہ صاحب کی مجلس میں لگائے اور دونوں نعرے کامیاب ہوئے اصل وجہ آپ کی نیت ہے کہ آپ کا خلوص محمد و آلِ محمد کے لیے کیا ہے۔

علّامہ صاحب کی مجلس نہایت نورانی ہوتی تھیں کیونکہ آپ پُرخلوص انداز سے مجلس پڑتے تھے اور میں نے یہ خلوص ان سے ہی سیکھا ہے۔علّامہ کی تقریر نہایت وسعی مطالعہ اور تحقیقی اُمور پر ہوتی تھی، علّامہ کی یہ بڑی خوبی تھی کہ ہر شعبہ سے محمد وآلِ محمدؐ کے فضائل نکال لیتے تھے۔علّامہ صاحب نے مرثیہ کے وقار کو ہمیشہ بلند رکھا۔علّامہ صاحب نے ان شعرا کے کلام چھاپے ہیں جن کو دنیا بھول چکی تھی، ان سب کو ادبی دنیا میں علامہ صاحب نے زندہ کر دیا۔علامہ صاحب کا ایک بڑا کام یہ بھی ہے کہ قابلِ قدر اور بیش قیمت تاریخی دستاویز کا اکٹھا کرنا بہت بڑا کام ہے، علامہ صاحب کی شخصیت ورلڈ کی نظر میں کیا ہے ان چند حضرات کے نام تحریر کر رہا ہوں، مثلاً جوش صاحب، رئیس امروہوی، جناب ہاشم رضا صاحب، ڈاکٹر اکبر حیدری، استاد الشعرا جناب شاہد نقوی، جناب نواب حیدر جعفری، جناب آغا روحی، نا جانے ہزاروں بڑی

شخصیت نے علامہ کے کام اور خدمات کو سراہا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابلِ تحسین ہے۔ میں علامہ کے لیے صرف یہ کہوں گا کہ علاّمہ صاحب انسانیت کا اُجالا ہیں، حق و سچ بولنا ان کا مذہب ہے، محبت ان کا مزاج ہے، علامہ صاحب عہد ساز شخصیت تھے، ادب اور تحقیق کے ماہر تھے۔ آپ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ خود ہی موضوع بناتے، خود ہی سوال بناتے اور خود ہی قرآن و حدیث اور دنیاوی دلیلوں سے مکمل جواب دیتے تھے۔ آپ قرآن سے انبیا کے معجزات دکھاتے اور انبیا کی قربانیاں دکھاتے، تو پتہ چلتا کہ محمد و آلِ محمد کی قربانیاں انبیا کی قربانیوں سے افضل ہیں۔

علامہ صاحب بہت بڑے خطیب بھی تھے اور بہت بڑے لکھاری بھی تھے۔ علامہ صاحب ایک وقت میں دو محاذوں یعنی تحریر اور تقریر کے کمانڈر ان چیف تھے۔ دونوں خوبیوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں تحریر کر چکے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے ان کی طرف سے تحفہ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی یونیورسٹیوں سے بڑی یونیورسٹی علاّمہ صاحب خود تھے۔ کیونکہ ہر یونیورسٹی اپنے Phd طلبا کو مختلف موضوعات پر تھیسس لکھنے کے لیے علامہ کی خدمات حاصل کرنے کا کہتے تھے۔ سینکڑوں حضرات کو Phd کروانے میں علاّمہ کی خدمات ہیں۔

پاکستان و بھارت کی یونیورسٹی علامہ صاحب کو حرفِ آخر قرار دیتی ہے۔ علامہ کی اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر لکھوں تو کئی کتابیں لکھ دوں، علامہ صاحب نہایت اچھے انسان بھی تھے، نہایت نرم گوشہ، سادہ طبیعت اور سادہ زندگی گزاردی ان کے قوم پر بہت بڑے بڑے احسانات ہیں، علاّمہ نے قوم کو بہت کچھ دیا مگر قوم سے کچھ نہیں لیا۔ لیکن علامہ کے جنازے نے بتا دیا کہ محمد و آلِ محمد نے ان کے جنازے کو جو پروٹوکول دیا ایسا میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا، حیدر حیدر کے نعروں نے حضرت علیؑ کے سپرد علامہ کو کر دیا۔ میں علامہ کے انتقال کے بعد دوسری مرتبہ یتیم ہو گیا ہوں، کیونکہ علامہ کو میں اپنا روحانی باپ تسلیم کرتا تھا۔ کیونکہ میں نے ان کی نورانی مجلس میں بہت سے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے، بس آخر میں میں لکھوں گا کہ علامہ سے جو حسد کرتے تھے وہ نہایت کم ظرف اور کم نسل لوگ تھے، شیعہ قوم نے ایک بہت بڑے عالم، بہت بڑے مفکر بہت بڑے دانشور، بہت بڑے، شاعر اور بہت بڑے انسان کو کھو دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ علاّمہ صاحب محمد و آلِ محمدؐ کے بھیجے ہوئے مجاہد تھے، اور وہ واپس محمد و آلِ محمدؐ کی قربت میں چلے گئے۔ اب وہ کربلا میں اپنے مولا کے پاس ہیں، قوم نے ان کو بہت تھکا دیا تھا، قوم کے چند بے غیرت بے ضمیر لوگ علاّمہ کو مختلف طریقے سے تنگ کرتے تھے۔ لیکن قوم کی بڑی تعداد ان سے محبت کرتی تھی اور کرتی رہے گی، اللہ سے اور محمد و آلِ محمدؐ سے التجا ہے کہ ہم ان کے مشن کو آگے لے کر چلیں۔ آمین۔

ایس۔ ایم فرحان (کمپوزر)

روشن ضمیر زندہ ہے!

تمام تعریفیں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیئے درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیئے

۱۳ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو علاّمہ صاحب نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا۔ مولاؐ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

ایک سورۂ فاتحہ علاّمہ صاحب کیلئے

کون اب عقل و جنوں کی گتھیاں سلجھائے گا
کون سوزِ دل سے قلب و روح گرمائے گا

کبھی سوچا نہ تھا کہ علاّمہ صاحب کی کتابیں کمپوز کرتے کرتے یہ بھی موقع آئے گا کہ علاّمہ صاحب کی وفات کی خبر بھی کمپوز کروں گا۔ علاّمہ صاحب کے

بارے میں بیان کرنا اشک بہائے بغیر ممکن نہیں کیونکہ علاّمہ صاحب اب ہم میں نہیں۔ مگر میرا یقین ہے کہ اُن کی محبتیں شفقتیں اُن کی یادیں آج بھی سائے کی طرح موجود ہیں اور علاّمہ صاحب کے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔

علاّمہ صاحب کے شجرِ سایہ دار تلے محبت و شفقت کے سوا کچھ نہ تھا۔

میں نے علاّمہ صاحب کے یہاں سن 2006 تا 2020 تک سوائے محبت اور حُسنِ سلوک کے کچھ نہ پایا۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے علاّمہ صاحب کے ساتھ رہنے کا اور اُن کی کتابوں کی کمپوزنگ کرنے کا شرف حاصل ہوا جو میرے لیئے قابلِ فخر ہے۔

علاّمہ صاحب نے ہمیشہ صبر و قربانی امام حسین علیہ السلام کی تعلیمات عام کی اور بتایا کہ امام حسینؑ کی تعلیمات پر عمل کر کے دین اور دنیا کی بقا حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں علاّمہ صاحب کے لیئے یہی کہوں گا کہ اللہ پنجتنؑ پاک کے صدقے علاّمہ صاحب کو بلند درجہ عطا کرے: (آمین)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے

علی دیباج جعفری (کراچی):

آہ علّامہ صاحب!

علّامہ صاحب سے ہی مجلس میں سنا تھا کہ جب کوئی شیعہ عالم اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو امام زمانہؑ بھی بہت غم زدہ ہو جاتے ہیں
آپ نے ایک مجلس میں پڑھا کہ جب شیخ مفیدؒ کا انتقال ہوا تو امامِ زمانہؑ نے آپ کی قبر پہ یہ مرثیہ لکھا:۔

جب آپ اپنے شاگردوں کو علم و معرفت سناتے تھے
تو قائم آلِ محمدؑ بہت خوش ہوا کرتے تھے

اس لیے سب سے بڑھ کر امامِ زمانہؑ کو پرسہ پیش کرتا ہوں کہ آپ کی غیبت میں آپ کے فضائل و مصائب بیان کرنے والا ذاکر ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، اور آپ کی غیبت میں آپ کی بھرپور نصرت کی اور ہر محاذ پر دلائل سے مقابلہ کیا، آپ کی غیبت کے دوران آپکی قوم کو جہاد باالقلم کی شاندار مثال دِکھا کر اپنا سفر تمام کیا، اور میر انیس کہ اس شعر کی مکمل تصویر بن کر دِکھایا

تنہا تیرے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

سیّد ابوذر حسین عابدی (کراچی):

علّامہ صاحب کے ساتھ ۲۰۰۹ء سے ۲۰۲۰ء کا سفر

علّامہ صاحب کے ساتھ یہ سفر بہت یادگار گذرا کافی یادیں اس سفر کے ساتھ جُڑی ہیں۔ پہلی بار علّامہ صاحب سے تفصیلی ملاقات ٹنڈو جام کی مجلس میں ہوئی، وہاں سے جب کراچی آئے تو مجھے پتہ چلا کہ ۲۴/مارچ کو علّامہ صاحب کی سالگرہ ہے، میں اُن کی لائبریری پہنچا وہاں سے اُن کی لائبریری میں آنا جانا شروع ہو گیا جب بھی میں اُن کے گھر جاتا تو کوشش ہوتی کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا کہ میں اُن کے گھر رُکنے نہ جاؤں۔ آخری بار جب علّامہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ اپنے کمپوزر ریحان اور طارق سے بات کر رہے تھے ان کے جانے کے بعد موجودہ حالات پر بات ہوئی تو علّامہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ قرآن اُٹھا کر لاؤ، میں نے علّامہ صاحب کو قرآن لا کر دیا، علّامہ صاحب نے قرآن کھولا تو پہلے وہی صفحہ کھولا جو علّامہ صاحب کو آیت پڑھنی تھی، آیت پڑھ کر اُس کی تشریح کی اور سمجھایا یہ علّامہ کے انتقال سے ایک دن پہلے کی بات ہے، میں نے کھانا دیا اُن کو دوا دی اور صبح تک بیٹھ کر بات ہوئی، وہ رات کبھی ذہن سے نہیں نکلتی، علّامہ صاحب کے انتقال کے بعد سب ویران ہو گیا، میں یہ کہوں گا کہ علّامہ کے بعد زندگی ہی بدل گئی ہے۔

فرخ میاں

علامہ ضمیر اختر نقویؒ۔۔ایک زمانہ اپنے اختتام کو پہنچا

ایک بہترین دوست، اور شفیق استاد ہم نے رضویہ میں ہوش سنبھالا اور مجلسوں میں جانا شروع کیا تو علامہ صاحب کی مجلسوں میں ہماری لڑکپن کی ابتدا ہوئی، ہم نے علامہ صاحب کی مجلسوں سے مجلس میں بیٹھنے کا سلیقہ اور اپنی خون کی رگوں میں دوڑتی ہوئی علیؑ کی محبت کو عشقِ اہلِ بیتؑ میں تبدیل ہوتے دیکھا اور وہی عشقِ علیؑ جو علّامہ ضمیر اختر نقوی نے ہمارے قلبوں میں منتقل کیا وہ اب ہماری اولاد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ دن ہم کیونکر بھول سکتے ہیں جب علامہ صاحب اور استاد علی ضیاء رضوی، لالو بادشاہ کی چائے کی دوکان پر اکثر بیٹھتے تھے اور شام میں ہم بھی پیچھے کی کرسیوں پر بیٹھ جاتے تھے اور علم کا سمندر ہم کو سننے کے لئے ملتا تھا۔ علامہ صاحب جن کو ہم رضویہ والوں کی طرح ضمیر بھائی کہتے تھے اور آج تک جب بھی وہ لندن آتے تھے ہم کو ضرور فون کر کے بلاتے تھے۔ اگر ہم واقعات یاد کریں تو پوری کتاب ہم لکھ سکتے ہیں، یہ اُن سے ہی سیکھا تھا، علامہ صاحب (ضمیر بھائی) ایک ایسا ستارہ تھے جن سے اس دنیا کی تاریکی ہمیشہ ہمیشہ درخشاں تابندہ رہے گی۔ ہم نے علامہ صاحب کو کیسا پایا، غصہ پی جانے والا، لوگوں کی خطا کو معاف کرنے والا، اپنے اقربا کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے دوستوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا اور تمام حالات میں ہر کسی کی حاجت برآوری کرنے والا اور جہل کا سامنا ہوا تو اسے برداشت کرنے اور تمام امور میں ثابت قدمی اور ہمیشہ قرآن مجید کے ساتھ تمسک کرنے والا پایا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا پایا۔

علامہ صاحب کے ساتھ ایک علم کا باب اختتام پذیر ہوا۔ ہم کو فخر ہے کہ ہم نے ضمیر بھائی کی عزت اور محبت اُن کی زندگی میں کی اور اب وہ زندہ جاوید ہیں ہمارے دلوں میں۔ بہت جلد ہم پھر اُن ی مجلس حوضِ کوثر پہ سنیں۔ الٰہی آمین
فرخ میاں (ضمیر بھائی یہ کہہ کر ہم کو بلاتے تھے)

شہابؔ کاظمی جرولی (انڈیا):

ایک مختصر سی نظم

اِک شاہؑ دیں کا ذاکر اک بے نظیر بندہ
ہے ہے ، جہاں سے اُٹھّا اِک باضمیر بندہ

نامش ، ضمیرؔ اختر ۔ وہ اسمِ با مسمیٰ
بستانِ لکھنؤ کا روشن ضمیر بندہ

دارائے گفتگو تھا ، وہ زیب و زینِ منبر
یوں اُس کو دیکھئے تو شہ کا فقیر بندہ

موضوعِ خشک و تر پر وہ بولتا تھا ایسے
جیسے ہو خاص اُس کا ابرِ مطیر بندہ

خود جن نہ تھا تو اس کے قبضے میں کوئی جِن تھا
ورنہ لکھے کتابیں اتنی کثیر؟ بندہ

چرخِ کُہن نے ہم سے پھر دشمنی نکالی
اک اور ہم سے چھینا ، ماہِ منیر بندہ

ہو ضبطِ غم تو کیسے ، گریہ تھمے تو کیسے
لائیں گے ہم کہاں سے ایسا خبیر بندہ

داغِ فراقِ محسنؔ آخر اُٹھا نہ اُس سے
سہتا بھی دل پہ کب تک فرقت کے تیر بندہ

جمِ غفیر تھا اِک میّت پہ اُس کی گریاں
گویا تھا شہر میں وہ اِک دلپذیر بندہ

طاغوت سے لڑائی ہاری نہ کوئی اُس نے
اس دور کے لیئے تھا وہ ناگزیر بندہ

جشنِ غدیر سُن کر اُس سے یہ کہہ اُٹھا میں
شاہِ غدیر حیدرؑ ، شیرِ غدیر بندہ

نخچیرِ گفتگو تھا میں بھی شہابؔ لیکن
اس پر یہ گفتگو اور مجھ سا حقیر بندہ

ارتضیٰ جونپوری (شاعرِ اہلبیتؑ ، کراچی):

خطیبِ اعظم ، خطیبِ اکبر ضمیر اختر ضمیر اختر

خطیبِ اعظم ، خطیبِ اکبر ضمیر اختر ضمیر اختر
ہے علم پرور ، ادب کا دفتر ضمیر اختر ضمیر اختر

دلوں پہ ہے اس کی حکمرانی ، بلا کی لہجے میں ہے روانی
نہیں ہے کوئی بھی اس کا ثانی ، قلم ہے کاغذ پہ خوش یہ لکھ کر
ضمیر اختر ضمیر اختر

قلندروں کی صدا یہی ہے ، نقیبِ کرب و بلا یہی ہے
لبوں پہ سب کے صدا یہی ہے ، نہیں ہے کوئی بھی تجھ سے بہتر
ضمیر اختر ضمیر اختر

وِلا کا حامی ، عزا کا حامی ، اسی کا طُرّہ ہے خوش کلامی
کہیں نہ کیوں پھر نظیر و جامی ، ہے تنہا پھر بھی لگے ہے لشکر
ضمیر اختر ضمیر اختر

حیات اپنی عزا کو بخشی ، علیؑ کے بچوں کی نوکری کی
عقیدہ بیچا نہیں کبھی بھی ، مری نظر میں ہے سب سے برتر
ضمیر اختر ضمیر اختر

مزاج اس کا رئیس جیسا ، لباس اس کا نفیس جیسا
خطاب اس کا انیسؔ جیسا ، نہیں ہے کوئی بھی اس کا ہمسر
ضمیر اختر ضمیر اختر

یہ با ادب با نصیب بھی ہے ، خرد کا راہی ، ادیب بھی ہے
حبیب کا یہ حبیب بھی ہے ، یہی صدا ہے سبھی کے لب پر
ضمیر اختر ضمیر اختر

بلا کا روشن ضمیر ہے یہ ، محبتوں کا سفیر ہے یہ
درِ نجف کا فقیر ہے یہ ، ہے اوج پہ اس کا اب مقدر
ضمیر اختر ضمیر اختر

ہے اس کے لہجے سے صاف ظاہر ، ہے اس کا شجرہ بھی پاک و طاہر
ہے یہ خطابت کے فن کا ماہر ، مزاج کا بھی یہ ہے قلندر
ضمیر اختر ضمیر اختر

جو جل رہے ہیں جلاؤ ان کو ، یہ نظم جا کے سناؤ ان کو
اے ارتضیٰ یہ بتاؤ ان کو ، ہے ساتھ اس کے دُعائے حیدرؑ
ضمیر اختر ضمیر اختر

ذاکرۂ اہلِ بیتؑ تمکین زہرہ عابدی:

وقت کا میثم تمّار

آہ علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی

میں یہ سوچا کرتی تھی یہ عشق علیؑ کیا شے ہے، انسان علیؑ کے عشق میں ڈوب کر اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا ہے؟ مگر حق علیؑ میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا؟

شاید اِس عشق کی شرط ہی یہی ہے کہ انسان بے ضرر بے اختیار، بے پرواہ ہو کے اِس راہ پر چل نکلے۔ شاید اس کیفیت کا آج کے زمانے میں کبھی پتہ ہی نہ چلتا اگر ہم نے آج علامہ صاحب کو نہ دیکھا ہوتا۔

عقلیں حیران تھیں علّامہ کس راہ پر چل رہے تھے؟ کیا کرنا چاہ رہے تھے؟ وہ کیا سوچتے تھے؟ غرض کہ اسی سفر پر چلتے چلتے زمانے بدلتے گئے، نسلیں بدلتی گئیں، مجمعے بدلتے گئے، اک نسل گزری، دوسری جوان ہوئی، مگر سب نے دیکھا کہ علّامہ ایک ہی سیدھ میں چلے جا رہے ہیں۔ ان کی منزل کیا تھی؟ زمانہ حیران تھا، سب نے سوچا سمجھا اور پھر چھوڑ دیا۔

آج ان کے اِس دنیا فانی سے چلے جانے کے بعد یہ بات آشکار ہوگئی کہ ہم سمجھ ہی نا سکے۔ مگر وہ پہلے دن سے جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ انہیں کہاں پہنچنا ہے، انکی منزل ان کی آنکھوں میں واضح تھی۔ شاید ان کی رفتار اسی لیے اتنی تیز تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔

کئی لوگوں نے ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی لیکن پیچھے رہ گئے۔ ساتھ چھوڑ گئے۔ مگر علّامہ ضمیر اختر نقوی اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ انہوں نے تو دنیا کا سارا ساز و سامان بھی اسی لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ ان کی رفتار میں کمی نہ آئے۔ ان کے راستے میں کوئی حائل نہ ہو۔

کہا کرتے تھے کہ ”تم اپنے حصے کی شمع جلانا تا کہ راہ کا تعین ہو سکے۔“

آج زمانے نے دیکھا کہ علّامہ نے اپنے علم سے علوم آلِ محمدؐ کا ایسا آفتاب روشن کیا کہ رہتی دنیا تک یہ آفتاب مؤمنین کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔

تمام کتابیں نگاہ عشق سے پڑھ ڈالیں پھر بھی دِل نہ بھرا تو کروڑوں لفظ کہہ ڈالے۔ علوم آلِ محمدؐ کو مؤمنین کے دلوں میں اور ہزاروں کتابوں، مجلسوں، اور کروڑوں لفظوں کی شکل میں محفوظ کر دیا۔

گویا اِس رستے پر چلتے چلتے ان کے پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔ مگر وہ اک لمحے کو نہ بیٹھے۔ بیٹھتے بھی کیسے وہ اپنے مولا سے عشق کی معراج پر تھے اور دیکھ رہے تھے کہ سامنے علیؑ ہیں۔

آہ! علّامہ چلے گئے اور زمانے کو کہنا پڑا ”آج ضمیر کی فتح کا دن ہے“ شاید اور رک جاتے؟ مگر ہم نے روکا ہی نہیں۔

وہ اپنا کل اثاثہ اہلِ بیتؑ کی محبت میں لٹا کر اور ہماری ناقدری سہہ کر چلے گئے۔ انہوں نے اب جانا مناسب سمجھا، اپنے ساتھ اپنا منبر بھی لے گئے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

سیّدہ صفیہ کرار حیدر (ذاکرۂ اہلبیتؑ، ملتان)

ایک روحانی ہستی، علّامہ ضمیر اختر نقوی

علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی صاحب دار فانی سے عالم ارواح منتقل ہوئے کیونکہ جس کو علامہ صاحب زندہ باد لکھنے اور کہنے کی عادت ہو وہ اور کیا لکھے مگر ہمارا تعلق قبلہ سے روحانی ہستی کے طور اتنا مضبوط رہا جسکی بناء پہ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ ہمیشہ زندہ باد رہنے ہی کیلئے ہیں، 2001 کی بات جب پہلی مجلس شہادت سکینہ بنت الحسین علیہ السلام میں انکو پہلی مرتبہ سنا تو ہم کسی اور کو سننے کے قابل نا رہے، اس مجلس میں بظاہر جھک محلہ ملتان مگر احساس دمشق کے زندان کا تھا فضائل و مصائب میں وہ کمال منظر کشی کی گئی تھی جسے قبلہ کے انداز خطابت نے پر جلال کر دیا تھا، یہ مجلس ہمیں کیا سے کیا بنا دے گی اسکا گمان بھی نہیں کیا تھا، ہم تو بس ضمیر اختر نقوی صاحب کے نقش قدم تلاش کرتے cd's، عشرہ مجالس کتابیں یا وہ خود۔ شب و روز انہیں کو سننا قبلہ نے فرمایا تھا 40 مجالس سنو تو ہم سمجھ میں آتے ہیں ہم تو سینکڑوں سن چکے تھے۔ اب جب بھی ملتان تشریف لاتے ہم صف اول کے سامع ہوتے، پہلی مرتبہ جب ہم قبلہ کے میزبان ہوئے وہ ماہ محرم کا آخری عشرہ تھا آپ لال کُرتی امام بارگاہ میں عنوان حقوق نسواں پہ خطاب کرنے آئے ہوئے تھے میری طرف میزبانی قبول ہوئی اور پہلی مرتبہ شرف زیارت عطا ہوا، اسی وقت دوران گفتگو مجھ سے فرمانے لگے ”تم مجالس پڑھو اور خوب پڑھو“ یہ بات میں محسوس کر سکتی تھی کہ زبان قبلہ کی ہے مگر کہلوا کوئی اور رہا ہے، میں نے ہر بات بتائی علامہ

صاحب جب بھی آپ کی مجالس کا عشرہ سنتی ہوں تو مجھے مخصوص بشارت ہوتی ہے ان سے مل کر گویا روحانی جہان واضح ہوتا جا رہا تھا، آخر ایک شب شاہزادیٔ کونین سلام اللہ علیہا کی زیارت کے ساتھ حکم ملا ''آؤ ہمیں ہمارے بابا رسولِ خداؐ کا پرسہ دو'' میں ذرہ خاک ہوں مگر انکا کرم آج ذاکرہ اہلبیتؑ کے طور پہچان عطا ہوگئی مگر ہم وہ نہیں جو محسن کو بھلا دیں اب علاّمہ صاحب سے با قاعدہ بات ہوتی پیغامات کا سلسلہ کربلا شام کی زیارت کا شرف عطا ہوا وسیلہ علامہ صاحب ہی بنے اسکی تفصیل الگ ہے۔ ہم ہمیشہ کہتے علامہ صاحب آپ کے چاہنے والے غالب ہیں آپ سے حسد کرنے والوں پر، علامہ صاحب دعائے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ہیں اور اپنے بیٹے حضرت عباس علیہ السلام کے معجزات کے وکیل کے طور بھی علامہ صاحب ہی منتخب ہوئے وہ بی بی سلام اللہ علیہا کے منظور نظر ہیں اب وہ وقت ہے کہ ہم اس عہد کے ساتھ جیئیں کہ علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی صاحب کی آواز انکی فکر انکے الفاظ انداز خطابت عقیدے کو لے کر جینا ہے، مگر ایک دعا خواہش میرے دل میں بھی ہے کہ پروردگار عالم بحق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ تو میرے علامہ صاحب کو یہ اختیار دے کہ جب بھی میں مجلس عزائے امام مظلوم علیہ السلام سے خطاب کروں تو وہ آئیں مجلس سنیں اور مجھ سے کہیں ''تم جیو سلامت رہو''

ناز فاطمہ (ذاکرۂ اہلبیتؑ)

ڈھونڈتی ہے سماعت... ضمیر کی خطابت

ہائے افسوس! ہم کتنی عظیم ہستی سے محروم ہو گئے اور اس محرومی پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ چارۂ کار نہیں۔

قبلہ مرحوم میرے ماموں تھے لیکن والدہ اور خالاؤں کو بھیّا کہتے سُنا تو ہم بھی بھیّا ہی کہنے لگے۔ بھیّا میرے لئے ایک معلّم کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ بچپن ہی سے اپنے والدین کے ہمراہ بھیّا کی ہر مجلس میں شرکت کی اُن کا بہترین خطیبانہ انداز، الفاظ، انتخاب اور لہجے کا اُتار چڑھاؤ ہماری تربیت کا حصّہ بنا اسی ماحول اور تربیت کے زیرِ اثر میں نے اپنی کمسنی ہی میں ذاکری کا آغاز کیا۔

اکثر مجالس کے بعد جب خواتین میرے اندازِ بیاں کو سراہتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ آپ نے ذاکری کہاں سے سیکھی تو میں فخر سے بتاتی کہ ذاکرین کے گھرانے میں پروان چڑھی ہوں اور نجیب الطرفین ذاکرہ ہوں اور علاّمہ ضمیر اختر نقوی میرے ماموں ہیں تو لوگ بہت خوش ہوتے۔

لیکن بھیّا کے بعد اسی محرم میں ۷ صفر کو شہزادیٔ سکینہ معصومہ کے تابوت کی مجلس کے بعد جب خواتین مجھ سے مل رہی تھیں تو خاتونِ خانہ نے یہ کہہ کر سب سے میرا تعارف کروایا کہ ''علاّمہ ضمیر اختر نقوی ان کے ماموں تھے'' جب اُنھوں نے ''تھے'' کہا تو بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، کیونکہ ابھی تک یقین ہی نہیں آیا کہ بھیّا ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔

عشرۂ اوّل میں دن کی آخری مجلس بھیّا کاظمین امام باڑے (سادات کالونی) میں پڑھتے تھے جو میرے گھر سے بہت قریب ہے، بھیّا کی دیگر مجالس میں میری شرکت اپنی ذاکری کی وجہ سے مشکل ہوجاتی تھی لیکن اس مجلس میں میں ضرور حاضری دیتی تھی۔ بھیّا بعدِ مغرب مسلسل تین مجالس پڑھنے کے بعد رات کو تقریباً ڈیڑھ بجے کے بعد کاظمین پہنچتے تھے لیکن سامعین بھی ہماری طرح بے چینی سے بھیّا کی آمد کے منتظر رہتے تھے اور جیسے ہی بھیّا منبر نشین ہوتے خطبے کے بعد بھیجی جانے والی صلوٰۃ مجھ سمیت تمام سامعین کو تازہ دم کر دیتی تھی۔ ساتھ ہی میں بھیّا کی صحت و سلامتی کی بھی دُعا کرتی رہتی تھی اتنی رات ہونے کے باوجود بھی بھیّا محنت، خلوص اور جوش سے خطابت کرتے تھے کسی انداز سے بھی تھکن کے آثار نظر نہیں آتے تھے کاظمین امام باڑے میں رات کے اُس پہر دن کا سماں ہوتا تھا۔

بھیّا کے بعد ہر وہ منبر سُونا لگتا ہے جہاں ہم بھیّا کی آواز سُننے کے عادی تھے۔ اُن عزا خانوں میں آج بھی بھیّا کی خوبصورت آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور دل بوجھل ہوجاتا ہے بس یہ سوچ کر خود کو تسلّی دے دیتے ہیں کہ بھیّا اب ایسے مقام پر ذکرِ مولا کر رہے ہونگے جہاں آپ کو کائنات کے عظیم اور بہترین سامعین کا قرب ہوا ہوگا۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ آج مجھ سمیت دنیا میں ستّر فیصد ذاکرین اور خطبا بھیّا کی مجالس اور کتابوں سے فیض حاصل کر رہے ہیں بھیّا نے کئی لوگوں کی تربیت کی، لکھنا سکھایا، پڑھنا سکھایا، بولنا سکھایا، آج کل کے حالات میں جب نوجوان نسل گمراہ ہو رہی تھی ان کو نئے نئے مسائل میں اُلجھایا جا رہا تھا ایسے میں بھیّا نے آدابِ عزاداری، فرشِ عزا کی اہمیت و فضیلت، ولایتِ مولائے کائنات نوجوانوں کو گھول کر پلا دی، بھیّا نے عقیدے پر کبھی سودے بازی نہیں کی۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی اُس جامع الکمالات شخصیت کا نام ہے جنھوں نے عصرِ حاضر میں بطورِ خطیب، ادیب، بہترین محقق و شاعر دنیا بھر کے علمی و ادبی حلقوں میں اپنا لوہا منوایا ہے اور آپ کی انہی خدمات کے پیش نظر دنیا بھر کے دانشوروں نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ بھیّا کی تحریر ہو یا تقریر، علمی مضامین ہوں یا تحقیقی مقالے ان سب کا رُخ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی عقیدت، محبت و مودّت کی طرف ہوتا تھا۔

بھیّا اپنی مجالس میں نہ صرف اچھوتے اور مشکل موضوعات کا انتخاب کرتے بلکہ انتہائی احسن طریقے سے اس موضوع سے مدلّل انصاف بھی کرتے تھے۔

دنیا بغض، عداوت، غیبت اور حسد جیسی بیماریوں میں مبتلا ہے مگر بھیّا اپنے کام میں مصروف رہے بھیّا کی اس ادا کا ترجمان یہ شعر ہے کہ:

میں سوچتا ہوں کہ حق کس طرح ادا ہوگا
غمِ حسینؑ زیادہ ہے زندگی کم ہے

دنیا صدیوں میں جا کر بھیّا کی عظمتِ فن کا ادراک کر پائے گی۔ بھیّا یوں تو ہم سے جُدا ہو چکے ہیں لیکن آپ کے دینی کارناموں کی خوشبو سے فضا ہمیشہ معطّر رہے گی۔

پروردگارِ عالم بحقِ ولایتِ مولائے کائنات، اُن کے درجاتِ عالی کو مزید بلند فرمائے۔ (الٰہی آمین)

سیّدہ افشین نگہت نقوی (روزنامہ جنگ)

دلِ افسردہ ہر ایک یاد سے بھر آیا ہے

۲۰۰۶ء سے ۲۰۰۸ء کے دوران میں روزنامہ جنگ کراچی میں انچارج فورم کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہی تھی، مختلف موضوعات پر منعقدہ فورم میں کئی بار علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی میرے مہمان اسپیکر کی حیثیت سے شریک ہوئے ان کے برجستہ جواب اور دلائل سے حاضرین اور قارئین متاثر و مرعوب ہوئے۔ جب جب ان سے ملاقات ہوئی ان کے علم و تجربے کی قائل ہوگئی۔ اُردو زبان پر ان کا عبور قابلِ رشک تھا۔ میں کبھی ان کی زبان دانی پر محوِ حیرت ہوتی اور کبھی ان کے حافظے کی داد دیتی رہتی۔ اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں کبھی کوئی لفظ یا سرخی بنانے میں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو بلا جھجھک علاّمہ صاحب سے مدد لی اور ان کا تفصیلی جواب سُن کر یہ اطمینان ہو جاتا کہ اب غلطی کی گنجائش ہے نہ امکان۔

ایسی ہمہ جہت شخصیت کہ بات تفسیر قرآن کی ہو کہ تاریخ، سیاست سے معیشت، شاعری سے منطق، سائنس سے کھیل غرض ہر موضوع پر علاّمہ صاحب کا جواب لاجواب ہوتا تھا۔ کتاب ہو کہ علاّمہ صاحب ہر جملہ اور ہر لفظ نگینے کی مانند چمکتا تھا۔ خطابت کا وہ کمال کہ ہر عزادار فرش سے عرش کا سفر علاّمہ صاحب کے ساتھ ساتھ کرتا، فضائل ہو کہ مصائب اہلِ بیتؑ، سامع سامنے بیٹھا ہو کہ ہزاروں میل دُور وہ یہ محسوس کرتا کہ کربلا اس کے سامنے برپا ہے۔ ان کے مخالفین جب کبھی کچھ کہتے تو میں یہی کہتی تھی کہ وہ اس عہد کے سب سے بڑے اسکالر ہیں۔

یہ ہمارے معاشرے کی پستی ہے کہ ہم پڑھے لکھے افراد کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ نہ تو ہمارے ہاں علم کی قدر ہے اور نہ عالم کی، اور ایسا تاریخ میں رقم ہے قدآور شخصیات کی قدر ان کی زندگی میں نہیں کی جاتی ہم نے ایک بہت بڑا سرمایہ کھو دیا لیکن جاتے جاتے وہ ہمیں سینکڑوں اپنی تحریر اور کتابیں دے گئے اور ہزاروں کتابیں اپنی لائبریری کی شکل میں علمی سرمایہ دے گئے۔ ایسے لوگ زندگی میں کم ہی دیکھے جو زندہ رہے تو ذکرِ علیؑ اور غمِ حسینؑ کے لئے اور چلے گئے تو ذکرِ علیؑ اور غمِ حسینؑ عزاداروں کے لیے چھوڑ گئے۔ شہادت کے درجے ہیں۔ اور میں ان کی موت کو موت نہیں کہوں گی کیونکہ موت تو اس کو آتی ہے جو جاہل ہو۔ ابوجہل کے لیے موت ہے اور ایک عالم کو موت نہیں آتی۔ وہ زندہ رہتا ہے۔ آہ ہم نے انھیں کھو دیا، کاش اس عظیم ہستی کی وہ قدر کرتے جس کا وہ حق رکھتے تھے۔ حق دار کو حق نہ دینا بھی ظلم ہے۔ اللہ ہماری قوم کو راہِ ہدایت دے عالم کی قدر و معرفت عطا ہو اور ہم سب بابِ علم کے صدقے علم کی قدر کریں۔

دلِ افسردہ ہر ایک یاد سے بھر آیا ہے

نادیہ بتول بخاری (العجل نیوز)

خلا کیسے پورا ہوگا؟

علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی اک عجب کرشماتی شخصیت کے مالک تھے، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ مولانا کو مولا (ع) سمجھ لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بس اب وہ سارے افعال آئمہؑ (ع) جیسے ہی سرانجام دیں خیر ہم کبھی اس سنجیدہ مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لے پائیں گے ڈاکٹر صاحب پہ نا جانے کتنے لوگوں کا نعوذ باللہ شرک کرنے کا الزام ہے، مجھے کسی سے داد نہیں لینی حتی کہ ڈاکٹر صاحب حیات نہیں ہیں اور نہ ہی انکی کوئی اولاد ہے کہ جو آج وہ میری اس تحریر کو پڑھ کے میرا شکریہ ادا کریں گے، میں خالصتا اپنے ضمیر کی تشفی کے لیے لکھ رہی ہوں کیونکہ ڈاکٹر صاحب سے میری تاریخی موضوعات اور توحید کے موضوع پہ میسیج کے ذریعے رابطے تھے۔ جتنا خوبصورتی سے اور دلائل سے ڈاکٹر صاحب توحید بیان کرتے تھے میں نے ابھی تک ایسا سخنور نہیں سنا، لیکن ہماری قوم ایک غیر سنجیدہ قوم ہے لہذا اپنی مرضی کے ویڈیو کلپس ایڈٹ کر کے اپنا ٹائم پاس کرتے رہے لیکن انکے تاریخ اسلام و توحید کے بہترین کلپس سے کبھی کوئی سروکار نہیں رکھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک کمال کی بات یہی کہ اگر کچھ غلط انھیں محسوس ہوتا تھا تو بلا کسی جھجک فوراً ٹوک دیتے تھے کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ دو ہزار اٹھارہ میں سادات رضویہ پہ ایک تحقیقی مقالہ لکھا اور بہت سے رضوی سادات سمیت کچھ علمائے دین کو بھی بھیجا ہر جگہ سے خوب داد سمیٹی میرے والد صاحب نے مجھے اس موضوع پہ لکھنے سے روکا کہنے لگے کہ بیٹا متضاد روایات ہیں اور جب ذکر آئمہ (ع) کا ہو تو بہت زیادہ احتیاط

سے کام لیتے ہیں، میں بضد تھی اور والد صاحب کچھ یوں مخاطب ہوئے بیٹا ایک روایت کے مطابق امام رضا (ع) کے فقط ایک ہی نہیں بلکہ اور بھی امام زادے ہیں۔ میں نے جواب دیا ابو آپ بھی درست فرما رہے ہیں لیکن میں نے کربلا کے علمائے دین سے بھی تحقیق کی ہے ان کے مطابق امام علی رضا (ع) کے ایک ہی بیٹے ہیں امام تقی (ع) ہیں اور رضوی سادات در حقیقت تقوی الجوادی ہے۔ یعنی انکے اکلوتے بیٹے امام تقی (ع) ہی سے ہے، ابو چونکہ ایک محتاط روش پہ چلنے کے قائل ہیں لہذا انھوں نے معنی خیز خاموشی سادھ لی۔ چونکہ معاملہ ہسٹری کا تھا تو علامہ ڈاکٹر سید ضمیر نقوی صاحب کو کیسے فراموش کر سکتی تھی۔ لہذا میں نے انھیں بھی واٹس ایپ پہ تحریر بھیج دی کہ اچانک علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا متشدد جواب موصول ہو جسے پڑھ کہ گھبرا گئی انھوں نے سختی سے میری تحقیق کی تردید کی تو میں نے گھبرا کے فورا جواب دیا کہ قبلہ صاحب ابو بھی کچھ مطمئن نہیں ہیں میری اس تحریر پہ تو فورا مجھے انھوں نے غصے سے جواب لکھا جسے پڑھ کے میری بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی اور میں نے فوراا ابو کو فون کیا اور قبلہ صاحب کا غصیلہ میسج ابو کو سنا دیا جس پہ ابو نے زرا کھل کے میری کلاس بھی لی اور قبلہ صاحب کو غصہ دلانے پہ ناراضی کا اظہار بھی کیا۔ اب بھی جب مجھے ڈاکٹر صاحب کا وہ جملہ یاد آتا ہے تو خلوت میں ہنس پڑتی ہوں۔ وہ جملہ کچھ اس طرح ڈاکٹر صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا۔ کہ جب انھوں نے غصے کا اظہار کیا تو میں نے گھبرا کے کہا کہ "قبلہ صاحب میرے والد نے مجھے روکا تھا ایسا لکھنے سے" ڈاکٹر علامہ ضمیر اختر نقوی سیخ پا ہوتے ہوئے "ارے اپنے باپ کی ہی سن لیتی" از نادیہ بتول بخاری

سائرہ بنتِ فیاض زیدی (یو کے)

علم کا روشن منارہ۔۔ایک اچھوتا شاہکار

بعد تحفۂ درود و سلام محمد و آلِ محمدؐ کی بارگاہ میں، اس تحریر کا آغاز میں اپنے مرحوم والد محترم کے اشعار سے کرتی ہوں جو اُنہوں نے علّامہ صاحب کی کتاب ''اُردو غزل اور کربلا'' میں ''ایک اچھوتا شاہکار'' کے عنوان سے کتاب کے تعارف میں تحریر کیے۔

وہ جو علیؑ کے در کے فقیر ہوتے ہیں
وہ آدمی بڑے بے نظیر ہوتے ہیں
تقریر میں، تحریر میں تفسیر میں، جو موتی لٹائیں
وہ صرف اور صرف ڈاکٹر ضمیر ہوتے ہیں

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کا تعارف میرے والد محترم نے کروایا، میرے ابو ہمیشہ کہا کرتے تھے ''بیٹا ہمیشہ اچھے عالم کی تلاش میں رہو کیوں کہ اس کی ایک تقریر میں دُنیا جہان کا علم ہوتا ہے۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ علّامہ صاحب اپنی ذات میں ایک یونیورسٹی تھے، وہ علم کا وہ روشن منارہ تھے جس سے ہر طبقے کا انسان فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ اُن کی ہر مجلس اپنے عروج پر نظر آتی تھی، بہت دفعہ ایسا ہوا کہ علامہ صاحب کی مجلس آن لائن سنی اور یہاں (یو کے) برطانیہ کے کسی عالم کو سُنا تو محسوس ہوا کہ یہ موضوع تو علامہ صاحب بیان کر چکے ہیں۔

علامہ صاحب ایک بہت ہی نفیس انسان تھے، زندگی میں صرف تین بار اُن سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ اتنے خوش گفتار اور عالم تھے کہ بہت تھوڑے سے وقت میں علم کے کئی نکتے بیان کر جاتے تھے۔ مجھے آج یہ لکھنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ مجھے اتنا افسوس اپنے والد کے گزر جانے پر نہیں ہوا جتنا مجھے علامہ صاحب کے انتقال پر ہوا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی بات ہے اُن کی عظیم الشان میں خطابت چہاردہ معصومینؑ کے امام بارگاہ میں سیرتِ بی بی پاک کے عشرہ محرم میں (آن لائن) سننے کو ملیں، جس کا ہر نقطہ عرش سے نازل شدہ لگتا ہے۔ معلوم نہیں تھا کہ وہ کچھ دن کے ہی مہمان تھے مجھے اُن میں ہمیشہ اپنے والد کی شفقت نظر آئی۔ وہ جب جب تقریر کرتے تھے مجھے لگتا تھا ابو بھی یہیں کہیں ہیں۔

اُن کی عظیم کاوشوں میں ''باغِ فدک، بی بی پاک کی سیرت طیبہ، شہزادی اُمِ کلثومؑ کی فضیلت، جس میں اُنہوں نے بیان فرمایا کہ اولادِ علیؑ کبھی بھی بے اولاد نہیں ہو سکتی، جس کو ماننا ہے مانے جس کو نہیں ماننا اُس کا اپنا نصیب۔ علامہ صاحب سے محبتِ اہل بیتؑ میں اپنی تمام زندگی بسر کی، میرے والد اور میرے بھائی وسیم حیدر کو اُن کے ساتھ رہنے کا بھی شرف حاصل ہے۔

میرے برادر اکثر کہا کرتے تھے کہ جب علامہ صاحب نہیں رہیں گے تو لوگوں کو معلوم ہو گا کہ بھیا یعنی علامہ صاحب نے اپنا سب کچھ اہل بیتؑ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں لگا دیا۔

علامہ صاحب نے بہت سے مقدمات اہل بیتؑ عوام کے سامنے پیش کئے اور جیتے بھی، علامہ صاحب کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ کچھ صفحات میں تو یہ ممکن نہیں۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گی کہ وہ کیا تھے یہ آنے والا وقت بتائے گا وہ کیا چھوڑ کر گئے ہیں اس کا اندازہ ان کی Books اور تقاریر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، علامہ صاحب کی لائبریری ایک قومی اثاثہ ہے جس سے لوگ رہتی دنیا تک استفادہ کرتے رہیں گے۔

آخر میں میں اپنے والد کے ہی الفاظ سے اختتام کروں گی جو اُنہوں نے ''عشرۂ مجالس اقوامِ عالم اور عزاداریٔ حسینؑ'' کے پیش لفظ میں بیان کئے ''دنیا کہیں صدیوں میں جا کر علامہ ضمیر اختر کی عظمتِ فن کا ادراک کر پائے گی۔ وہ علومِ آلِ محمدؐ کے مختلف گوشوں کو متعارف کرنے، بیان کرنے اور سمجھانے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔'' علامہ صاحب ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

Hassan Sajid Naqvi:

I had the honour of being acquainted with Allama Zameer Akhter Naqvi 2 years ago. he was visiting London on return from reading Majalis in Europe. I has priveleged to spend an evening with him on the occasion of my Imam Zamin ceremony 2 weeks prior to my wedding.

He was reserved, soft spoken and embodied humility. The Imam Zamin was a private event with only immediate family members - Allama sahab conversed and engaged with all the members of my family and seemed relaxed and at home despite meeting us all for the very first time. I later watched several videos of his lectures which led to some thought provoking conversations and critical analysis of our faith, ideology, customs and beliefs. I will cherish the memory of his visit and the lasting impact of his knowledge and research for many years to come. Hassan Sajid Naqvi

Dr Gulam Hadi Kadiwal

MBBS, MD, FRCA,
FFPMR CA Consultant in Anaesthesia and chronic pain management

Dear Tanveer bhai A S A Thank you for asking me to write few words about Syed Zameer Akhtar NaqviI first heard his majils in Saudi Arabia about 35 years ago and then years laterin common wealth centre London. The topic was *Zabane Urdu Kaneez e Aale Mohammad* what a majlis how he described about Urdu, there were Iranians and Iraqies in the audience. He said if you really want to feel the effect of Azadari then learn Urdu He compared Urdu to all the famous languages of the world and said that apart from Urdu the maximum number of *Ashaar in Razmia shaeri* is in Greek which is 40,000 in Urdue alone Mir Anees has said 250000 *razmia ashaar* about Jane e karbla He compared Shakspears English language with Urdu and said in Shakspears English there are only 17 or 18 words about eyes then there is no more words in English. When Mir Anne's praised Imam Husainn A.S. eyes he said 52 ashaar and last one was bus bus anees bus nazer e bad ka khof hayIt was so wonderful to hear and know and it shows the deep knowledge he had about Urdu and other languages and his immense love for Imam Husain A.S I have some of his books. What a writer, description in such detail, I love his books too and pray to Allah to reward him handsomely and give him a place in Jawar e masoomeen A,S in Jannahand give sabre Jamel to his relatives

Hidayat Welfare Society(London)

Dear Moulana Syed Zafar Naqvi and Syed Tanveer Naqvi,

ASalam o Alykum

On behalf of Hidayat TV management please accept our sorrows for the great loss of great scholar Dr. Syed Zameer Akhtar.

it is a great loss for the family and the community and we pray that he be rewarded the highest place in paradise and the proximity of Ahlulbayt a.s. and may Allah grant the family sabr and patience. with dua Salam

Asif Zaidi

(Dublin Ireland)

I Needs To Come Condolence Recite Surrah Fateha Your Residence But Some One Told Me It's Not Allowed Due To Corona I M Sorry Brother But Always Pray For Agha Zameer Akhtar Naqvi Aalulahu Maqamahu

Karey Aameen, Aur Aap Sub Ko Sabbr Atta Karey Aameen!

Asif Zaidi Dublin Ireland

Akbar Jaffery

DePaul University
College of Law(Chicago, USA)

My introduction to the world of Urdu was risayi adab, and my introduction to risayi adab was Allama Zameer Akhtar Naqvi. One cannot understand the world of nauhas, marsiyas, and North Indian Shi'ism without immersing themselves in both his research and poetry. Unfortunately, I was never able to meet the Allama, but his books were always available to answer my lingering questions regarding the history of North Indian Shia beliefs and unique practices mourning Imam Hussain(a.s)

Two of the earliest books I read in Urdu were written by Allama Zameer Akhtar: his biography of Qasim b. Hassan(a) and his book on the Urdu marsiya and its development in Pakistan. While the latter evinces his passion for Urdu literature and how the love of the Ahl al-Bayt(a) was expressed in the language by virtue of its topic, he also dedicated a lengthy portion in the former to this very purpose. The Allama compiled a unique array of salams, nauhas, and marsiyas on Qasim across centuries, and even dedicated an entire chapter in the work to Mir Anees's portrayal of Qasim in his marsiyas. His passion for the Ahl al-Bayt was inseparable from his passion for Urdu.

This inseparability was evident in his majalis as well. When classical Urdu poets such as Mir and Ghalib are discussed, their religious leanings and their various religious expressions strewn across their diwans are often overlooked and considered unworthy of discussio. Allama Zameer Akhtar often brought their couplets in praise of the Ahl al-Bayt to the fore and showed the world how the two greatest poets of Urdu navigated the world and understood themselves through their devotion to the Prophet's family.

Allama Zameer Akhtar did not stop here though–he showed this inseparable passion in his poetry as well. One of his most famous nauhas, Ay dilbaraan-e-Jafar-e-Tayyar, recited by Ali Zia Rizvi(Ghamkhwaran-e-Abbas) is in a class of its own on two levels. It is firstly unique in that entire nauhas dedicated to Aun and Muhammad(a) have been and are rare to this day very few poets have written nauhas on Aun and Muhammad let alone write nauhas that become part and parcel of their memory. Secondly, its format is rare for a nauha. While nauhas have traditionally followed the ghazal/salam, murabba, mukhammas, musaddas formats among others, it is rare to come across a nauha written as an azaad nazm today. The Allama combined two rarities in a nauha that is counted among one of the most universally recited nauhas.

Allama Zameer Akhtar Naqvi versified his own place in our collective memories around 45 years ago in another nauha recited universally during the final days of the mourning period:

شبیر پہ اب روئے گا تا حشر زمانہ ہے غم کا فسانہ
مجلس کی بنا شام میں ڈال آئی ہے زینب اے شہرِ مدینہ

The world shall weep over Hussain until the Day of Judgment it is a tale of grief!

For Zainab has laid the foundation of his mourning, oh city of Madina!

رہ جائے گا اخترؔ افقِ غم پہ ترا نام کیا خوب ہے انعام
نوحہ ترا سننے کے لیے آئی ہے زینب اے شہرِ مدینہ

Oh Akhtar Your name will forever remain on the horizons of mourning what an excellent reward!

Zainab(s.a) has come to listen to your nauha herself, oh city of Madina!

*Akhtar being both the Allama's pen name and the word for star.

آخری آرام گاہ

قطعۂ تاریخ

دنیا سے آج اُٹھ گئے علّامۂ ضمیر
عالم، خطیب اور کتابوں کے آشنا
خود بن گیا یہ مصرعہ حافظ سن وفات
''ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما''

عقیل عباس جعفری
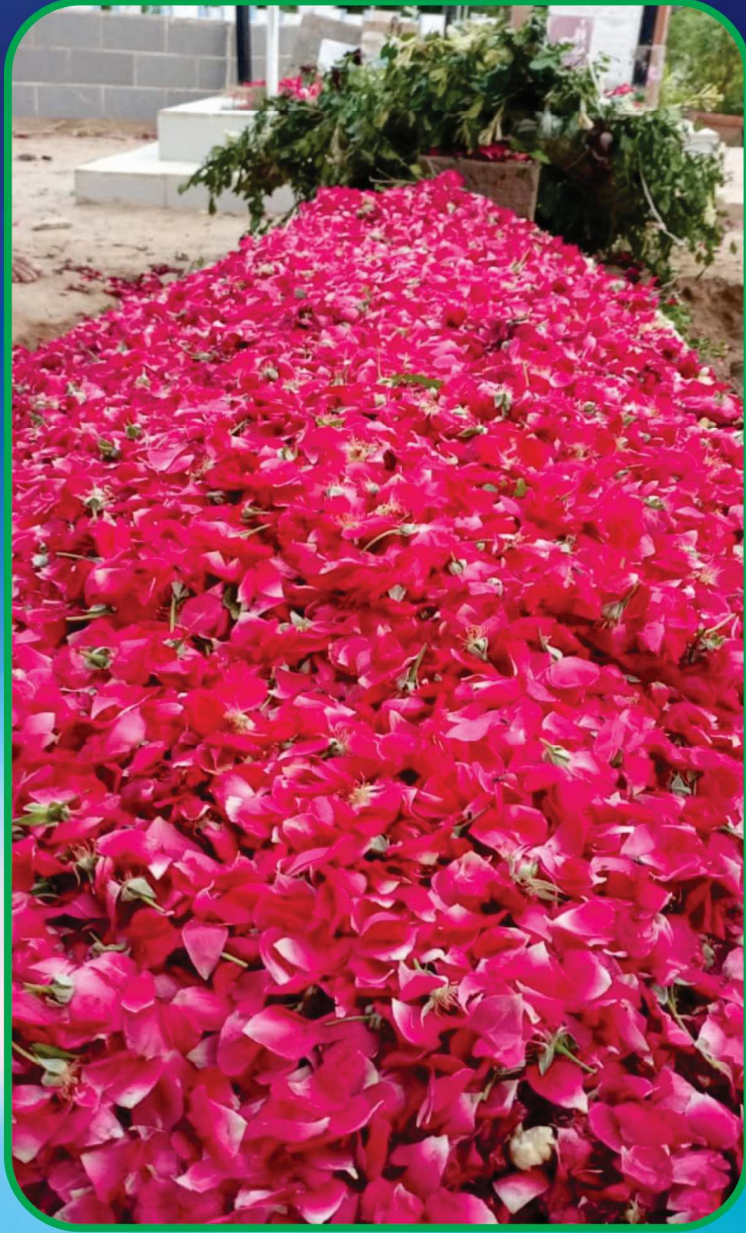
قطعۂ تاریخ

بے مثال آئے خلد میں پہلے
آج اک بے نظیر بھی آیا
جوہری آئے، منتظر کے بعد
خلد میں پھر ضمیر بھی آیا

(میرزا اجمال، ممبئی)